عورت کی سماجی و معاشی زندگی

ڈاکٹر طاہرہ کوکب

دارالنوادر

عورت کی سماجی و معاشی زندگی

(قدیم مذہبی تاریخ، اسلامی تعلیمات اور
عصر حاضر کے تناظر میں تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر طاہرہ کوکب

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰ / ۰۴۲۳۷۳۰۰۵۰۱

نام کتاب: ....عورت کی سماجی ومعاشی زندگی

مصنفہ: ....ڈاکٹر طاہرہ کوکب

ناشر: ....دار النوادر

اشاعت اوّل ....یکم جنوری ۲۰۱۸ء

مطبع: ....عمیر، عثمان، شفیق پرنٹرز

صفحات: ۲۴۸

ISBN 978-969-9730-31-3

انتساب

مَیں اپنی اس کاوش کو

اپنے والدین کے نام کرتی ہوں....

جن کی پرخلوص تربیت، بے پناہ محبت وشفقت اورحوصلہ افزائی نے مجھے کبھی زندگی میں مایوس نہیں ہونے دیا۔

فہرست مضامین

دیباچہ

اس وقت ہم ایک ایسے سماج میں زندہ رہ رہے ہیں جہاں بحیثیت انسان ہونے کے ابھی تک خواتین اپنی حقیقی سماجی حیثیت اور مقام کی تلاش میں سرگرداں ہیں، خواتین کے حقوق اور ان کی حیثیت کے حوالے سے مشرقی معاشرہ ہو یا مغرب کا ترقی یافتہ سماج کم وبیش ایک جیسی صورتحال سے گذر رہا ہے۔ کہیں تو فرسودہ روایات، امتیازی قوانین کی وجہ سے انہیں ان پڑھ اور جاہل رکھ کر چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے تو کہیں اسے جدید تعلیم اور بزنس کے نام پہ مارکیٹنگ کی دنیا کی خرید وفروخت کا آلہ بنا کر رکھ دیا ہے، کہیں جہالت، ذہنی پستی اور ظالمانہ روایات کی وجہ سے انہیں نام نہاد غیرت کے نام پہ خون میں نہلایا جاتا ہے تو کہیں سر بازار انہیں فحاشی اور عریانی کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔

یہ کتاب دراصل خواتین کی ان صداؤں کی ترجمانی ہے جو صدیوں سے اپنے انسانی حق کی تلاش میں بلند ہو رہی ہیں۔ اسے کل چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں قبل از اسلام مذاہب اور معاشروں کی تاریخ کی اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے جس کے تحت مذہب اور قانون کے نام پہ خواتین کو صدیوں سے عقلی و تجرباتی دنیا سے کنارہ کش رکھا گیا۔ اور انہیں کہیں پیدائشی گنہگار ٹھہرایا اور کہیں مرد کے مقابلے میں کمتر مخلوق کا تصور دیا گیا۔

باب دوم میں خواتین کی سماجی اور معاشی جدو جہد کے حوالے سے قرآن و حدیث ﷺ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ان معاشی آزادیوں اور سماجی حیثیتوں کی وضاحت کی گئی جو اسلام نے خواتین کو عطا کیں اور عصر حاضر کے تقاضوں کے تناظر میں ان معاشی آزادیوں اور سماجی حیثیتوں کی عملی شکل پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس سے خواتین کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اسلام انہیں زندگی کے مختلف شعبوں میں عملی کردار ادا کرنے کے حوالے سے کتنی اور کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

باب سوم میں موجودہ معاشرے میں خواتین کی سماجی اور معاشی حیثیت اور جدو جہد کے تناظر میں مشرقی و مغربی معاشرے کا تجزیہ کیا گیا ہے جس میں خواتین کے استحصال کی مخصوص ذہنیت اور طریقوں پہ روشنی ڈالی گئی، اس کے علاوہ دنیا بھر اور پاکستانی معاشرے میں تجارت و معیشت کے میدانوں میں خواتین کی کاوشوں، درپیش رکاوٹوں، قیادت کے حوالے سے فقدان اور گھروں سے نکل کر ملازمت اختیار کرنے کی وجوہات، غربت و افلاس کا شکار خواتین کی جدو جہد اور مسائل پہ بحث و تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب چہارم میں خواتین کے باختیار بننے کے حوالے سے ریاست کی ذمہ داریوں، انفرادی و اجتماعی سطح پہ حوصلہ افزائی، عصری تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت، اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کرنا، اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے سیکھنے کے عمل کو جاری رکھنا اور لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں امتیاز کے خاتمے کی ضرورت کے حوالے سے بحث کی گئی اور اس حوالے سے خواتین کی رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ کس طرح معاشرے کے اندر پر اعتماد انداز سے اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو سکتی ہیں اور سماجی و معاشی زندگی میں انفرادی سطح پہ کامیابی سے ہمکنار ہو کر اجتماعی ترقی و خوشحالی میں دخیل ہو سکتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب دراصل راقم کے پی ایچ ڈی کے مقالہ:

''عصر حاضر میں مسلمان خواتین کی ملازمت ایک تحقیقی مطالعہ''

سے ماخوذ ہے۔جس کو 2004 میں کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔

اس ساری کاوش کا ایک ہی مقصد ہے کہ اپنے معاشرے کی بچیوں کو شعور اور رہنمائی مل سکے تاکہ وہ زندگی کی مشکلات ومصائب کا مقابلہ جرات اور اعتماد سے کر سکیں۔میں ماہر قلم نگار نہیں ہوں،بس ٹوٹے پھوٹے انداز سے ایک کوشش کی ہے جو نذر قارئین ہے۔امید ہے کہ دوران تحریر میری کوتاہیوں پہ درگذر کیا جائے گا اور اہل علم رہنمائی فرمائیں گے۔

دعاؤں کی طلبگار

ڈاکٹر طاہرہ کوکب

باب اوّل

قبل از اسلام مذاہب اور معاشروں میں خواتین کی سماجی حیثیت اور مقام

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسانی تمدّن کے ارتقاء میں اور سماجی زندگی کی تشکیل میں روزِ اوّل سے مرد اور عورت دونوں کا برابر کردار رہا ہے۔ اگر کسی بیاباں جزیرے میں کسی مرد اور عورت کو چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں ایک تمدّن تشکیل دے دیں گے۔ لیکن اس جزیرے میں فقط مرد کو چھوڑا جائے تو وہ قطعاً تمدّنی تشکیل میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔

> ''دراصل عورت ایک جوہری اور مستقل مخلوق ہے جس کی کارگذاریوں اور قربانیوں سے انسانیت کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی اسکے بغیر جنت بھی آدم کے لئے ویران تھی اس میں حوّا ہی سے جان پڑی اگر عورت نہ ہو تو دنیا بے آب و رنگ ہو جائے۔''(1)

گویا تمدّن کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مرد کے ساتھ عورت کا شریک ہونا ایک فطری و طبعی عمل ہے۔ اگر اس میں ذرا سی کوتاہی، غفلت اور بے اعتنائی برتی جائے تو تمدّنی ارتقاء میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

کرہ ارض پہ انسانی دنیا کی آبادی اور ایک بھرپور سماجی نظام کی تشکیل کے لئے مرد و عورت کو تخلیق کیا گیا۔ خالق کائنات نے مرد و عورت کو ایک ہی سرچشمے سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کو ''انسان'' کا خطاب دیا۔ انسان کا لفظ کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ جب خالق نے خطاب کیا تو ''اے انسان'' کہہ کر کیا، یہ اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہے کہ ایسی کسی تفریق اور تقسیم کی گنجائش نہیں بحیثیت انسان ہونے کے جو حقوق تہذیب یافتہ معاشروں میں انسانوں کے لئے مخصوص ہیں، انہیں کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص کرنا یا ان میں کسی طرح کی تفریق کرنا خالق کائنات کے دیئے گئے حق کا انکار کرنا ہے۔

اس تناظر میں ہم اگر انسانی تاریخ کا جائزہ لیں تو بدقسمتی سے پوری انسانی تاریخ انسانوں کی جنس عورت کے ساتھ ظلم و ناانصافیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اگرچہ کہ قدیم تاریخ نے ایک زمانہ یہ بھی دیکھا کہ مادری نظام میں عورت ہی گھر کی سربراہ ہوا کرتی تھی، پورے خاندان کے فیصلے اسی کی مرضی سے ہوا کرتے تھے، قبائلی اقتدار بھی اسی کے ہاتھ میں ہوتا تھا، سماجی زندگی میں عورت کو مرکزیت حاصل تھی، عورت کو کمزور محض نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس کو ''دیوی'' کا رتبہ حاصل تھا۔ اسے معاشرے کی بقاء کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ مرد اس کے آگے جھکتا تھا اور اس کے فیصلوں کی پیروی کرتا تھا۔ یہ سب کچھ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ عورت کو کمزور پیدا کیا گیا ہے، یہ ایسے امور انجام نہیں دے سکتی جن کا تعلق اجتماعی معاملات سے ہے وہ دور قدیم کی اس تاریخ کو اٹھا کر دیکھیں کہ عورتوں نے قبائلی نظاموں کو کس قدر خوبی اور انصاف کے ساتھ چلایا۔ سماجی زندگی کے فیصلوں سے لے کر خانگی نظاموں کے معاملات عورت نے ایسی خوبی سے

ادا کئے کہ انسانی معاشرتی ارتقاء کا سفر اگلی منزل سے ہمکنار رہوا۔

ایک طویل زمانہ جس میں عورتوں نے سماجی زندگی کی بھاگ دوڑ سنبھالی ہوئی تھی اس وقت مرد بھی اس تگ ودو میں تھے کہ کسی طرح عورت کی اس مرکزیت کو معاشرے سے ختم کر دیا جائے۔ دراصل مرکزیت کی اسی کش مکش نے مادری نظام کو ختم کر کے پدری نظام کی داغ بیل ڈالی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب معیشتیں بہتر ہونے لگیں اور مردوں نے رفتہ رفتہ معاشی وسائل پہ قبضہ جمانا شروع کیا اور پھر اپنی طاقت کو جمع کر کے سب سے پہلے عورت کو اقتدار سے بے دخل کیا اور پھر اس کی مرکزیت کو معاشرے سے ختم کرنے کے لئے مذہب، توہمات، نظریات کے ملغوبوں کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسی بساط بچھا دی جس کے تحت عورت کو پیدائشی گنہگار، شیطان کی آلہ کار، اور کم تر درجے کی مخلوق قرار دیا۔ اور اس پہ سچائی کی مہر ثبت کرنے کے لئے مذاہب کے اعلانات کئے گئے، مذہبی کتابیں بنائیں گئیں، فلسفے اور دیو مالائی کہانیاں گھڑی گئیں، امتیازی قانون بنائے گئے اور ان سب کو خدا کے ساتھ منسوب کر کے معاشرے کو ایک نئی ڈگر پہ ڈال دیا گیا جہاں مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت کو کمزور بنا دیا گیا۔

مردوں نے عورت سے اقتدار چھینا، مرکزیت چھینی، عزت و ناموس چھینی اور پھر اس پہ بھی انہوں نے صبر نہیں کیا، بلکہ اب ایسی اقدار، ایسی تہذیب متعارف کروا دی جس کے تحت انسان کا لفظ صرف مرد کے وجود ہی پہ پورا اترتا ہے، عورت کو ناقص جنس قرار دیا گیا۔ یہ سب کچھ عقیدوں میں ڈھالنے کے لئے ریاستی نظاموں، مذہبی کتابوں، ملکی قوانین کو استعمال کیا گیا۔ قدیم مذاہب اور ان کے پروہتوں، پنڈتوں، فریسیوں، پادریوں، ربیوں کی کتابیں پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کس

طرح سے انسانوں میں جنسی تفریق پیدا کی اور پھر ان میں سے ایک جنس کو برتر اور دوسری کو کم تر قرار دے کر اسے خدائی فیصلہ قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''لوگ عورت کو انسان ہوتے ہوئے نوع انسانی میں شمار نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مرد و عورت برابر نہیں ہیں ان میں کسی قسم کی بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ وہ سمجھتے تھے کہ عورت مرد سے ہر طور کم درجہ ہے اور عورت کسی طرح بھی مکمل انسان نہیں ہے بلکہ وہ انسان اور حیوان کے درمیان رابطہ کی ایک نوع ہے جو انسان سے ملتی جلتی ہے اس درجہ پست خیال کا سبب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ عورت کو انسانیت کے ہر حق سے محروم کر دیا گیا''۔

وقت کے ساتھ پدری نظام نے اپنی گرفت انسانی معاشرے پہ مضبوط کر دی اور عورت کو خاص طور پہ مذہبی عقائد کے زریعے اس کی حیثیت سے بے دخل کیا گیا، اب ان نئے اور غیر فطری نظریات پہ معاشرے وجود میں آنے لگے، سماجی قیادت کے منصب سے محروم کرنے کے بعد عورت کو چار دیواری کے اندر قید کر دیا گیا، اسے دیگر مال و متاع کی طرح رکھا جانے لگا، اسے نفسانی خواہشات اور بچے پیدا کرنے کا ہی ذریعہ سمجھا جانے لگا۔

بچی کو پیدا ہوتے ہی بیٹوں کے مقابلے میں مختلف سمجھا جانے لگا، اسے شروع ہی سے کمزور کہہ کر اس کی نفسیاتی اور جسمانی ہیئت کو واقعی کمزور بنا دیا گیا۔ اس طرح انسانی معاشرے کا ایک حصہ کمزور، ناقص العقل اور حکمرانی کے لئے نااہل اور دوسرا حصہ طاقتور، باصلاحیت اور حکمرانی کا اہل قرار دیا گیا۔

قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ مادری نظام کے خاتمے کے بعد انسانی معاشرے اسی تفریق کی طرف گامزن کر دیئے گئے، پدری نظام کے زریعے مردوں کی مکمل حاکمیت

کا تصور معاشرے کے فکر، فلسفے، مذہب پہ حاوی ہو گیا۔

زمانے بدلتے گئے زرعی دور کے معاشروں میں ہی مردوں کی اجارہ داری شروع ہوئی اور عورت ان کے لئے جنس بن گئی اور پھر صنعتی دور کا آغاز ہوا تو بھی عورت کی زندگی یا اس کے بارے میں بنائے گئے ان تاریخی نظریات میں کوئی فرق نہیں پڑا، بلکہ نئی ٹیکنالوجی کے آتے ہی عورت کے استحصال کے طریقوں میں تبدیلی آ گئی، پہلے تو اس کا استحصال گھروں میں زرعی زمینوں پہ ہوتا تھا، اب ان کا استحصال ملوں، فیکٹریوں اور بازاروں میں ہونے لگا۔

یورپ جو کے جدید ترقی کا خالق ہے، وہاں بھی عورت کو سربراہ مملکت بننے کی اجازت نہیں تھی، اسے ووٹ کا حق نہیں تھا۔ انتہائی طویل جدوجہد کے بعد آج عورت کو کسی قدر سیاسی معاملات اور سماجی معاملات میں قیادت کا کردار ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری نظام پیدا ہوا جس نے تو پورے انسانی معاشرے کو معاشی استحصال اور طبقات کا تو شکار کیا ہی لیکن اس نے سب سے بڑا ظلم جو روا رکھا وہ عورت کو اپنے سرمائے کے حصول کے لئے ایک آلے کے طور پہ استعمال کیا۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں سرمایہ داروں نے یورپ اور امریکہ و دیگر خطوں میں اپنے ریاستی نظاموں کو تشکیل دیا تو وہاں جدید علوم و فلسفوں نے ضرور جنم لیا، عقلی قوتوں کو استعمال کیا گیا، بہترین تعلیمی نظام وضع کئے گئے، سائنس اور ٹیکنالوجی کے انقلابات نے سماجی زندگی کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ خلاؤں کو تسخیر کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے، یورپ نے انڈسٹریلزم، لبرلزم، سوشلزم کی تحریکوں کو جنم دیا جس سے معاشروں میں موجود کئی فرسودہ نظریات کا خاتمہ ہوا اور انسانی دنیا ترقی کی نئی منزلوں سے ہمکنار

ہوئی اور ہورہی ہے، علمی اور عقلی ارتقاء نے زمین و آسمان بدل دیئے ہیں، لیکن اس تمام ترقی وارتقاء کے عمل میں عورت کا وجود کہاں کھڑا ہے؟

اس وقت دنیا میں دو طرح کے معاشرے کم وبیش موجود ہیں ایک وہ جو کہ ان قدیمی زرعی دور کے نظریات سے مشابہت رکھتے ہیں، جن کے تحت عورت کا وجود انتہائی کمزور اور مرد اس پہ حکمران ہے، اور عورت مرد کی مرضی اور اس کے فیصلے کی ہمہ وقت محتاج ہے۔

تاریخ کے دریچوں میں جھانکتے ہیں تو عجیب تصویر نظر آتی ہے عورت ایک بے جان سی شئے محسوس ہوتی ہے جو تمدّنی زندگی میں حصہ دار ہونے کے باوجود، معاشرتی زندگی کو جلا بخشنے کے باوجود امتیازی اور بے رحمانہ سلوک کا شکار نظر آتی ہے۔ وہی عورت ماں کی صورت میں نسلوں کو جنم دیتی ہے انکی نشو ونما کرتی ہے۔ اور شریک حیات کی صورت میں خاندانی اکائیوں کو منظّم رکھ کر مردوں کو ایک مضبوط سماجی نظام مہیا کرتی ہے مگر مردوں نے اس کو اپنی قوت اور جبر سے زرخرید مال، لونڈی کی حیثیت دے دی، مردوں نے اپنی جسمانی اور صنفی طاقت کے بل بوتے پر اس کو زیرنگیں کر کے فقط دیگر لوازمات زندگی کی طرح اپنے حظ نفس تک محدود کر کے رکھا۔ وہی عورت جس کے بغیر تمدّن کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ذاتی ملکیت ووراثت کے حقوق سے محروم کر دی جاتی ہے۔ جبر واستبداد سے اس کے فکری و ذہنی ارتقاء پر بندشیں لگائی جاتی ہیں۔ اس کی فطری نشو ونماء جس سے اس کی شخصیت کو ابھرنے کا موقع ملتا کو ہمیشہ دبایا جاتا رہا۔

''مردوں نے اپنی پوری زندگی میں عورت کے منافع بخش استعمال کے لئے سینکڑوں طریقے وضع کئے ہیں یہ تمام طریقے مرحلہ وار معاشرتی و

معاشی زندگی میں معمول بنتے چلے گئے۔ان طریقوں کی وضعت میں مرد
کے دو ہی بڑے اور مرکزی مقاصد تھے ایک نفسانی خواہشات کی تکمیل
دوسرے ملکیت میں اضافہ۔مرد نے یہ دونوں مقاصد پوری آزادی سے
حاصل کئے اور آج بھی کر رہا ہے''۔(2)

گزشتہ تین ہزار پانچ سو سال قبل مسیح سے چھ سو دس سال بعد از مسیح تک معاشرہ
میں عورت کی ذلت، پستی کو مسلسل قائم رکھا گیا عورت انسان سے حیوان کے درجے پر
پہنچا دی گئی۔

''عہد وسطی کے لوگ عورت کو انسان ہوتے ہوئے نوع انسانی میں شمار
نہیں کرتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ مرد و عورت برابر نہیں ہیں ان میں کسی
قسم کی بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔وہ سمجھتے تھے کہ عورت مرد سے ہر طور کم
درجہ ہے اور عورت کسی طرح بھی مکمل انسان نہیں ہے بلکہ وہ انسان اور
حیوان کے درمیان رابطہ کی ایک نوع ہے جو انسان سے ملتی جلتی ہے اس
درجہ پست خیال کا سبب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ عورت کو انسانیت کے
ہر حق سے محروم کر دیا گیا۔''(3)

اس قسم کے خیالات وتصورات اور:

''ایسی پست ذہنیت کو عام لوگوں میں رواج دینے کا کام پروہتوں،
پنڈتوں، یہودی فریسیوں، فقہیوں، پادریوں، ربیوں (اور مولویوں)
یعنی مذہبی رہنماؤں نے اپنے خطبات، اور فتوؤں کے ذریعہ مذہب کے
نام پر انجام دیا''۔(4)

یہ ایک تاریخی المیہ ہے۔ اسلام کے نزول سے پہلے معاشرے کی درج بالا کیفیت تھی۔ اسلام انسانی حقوق کی بحالی اور معاشرے میں عدل وانصاف کا دعویدار ہے۔ظہورِ اسلام سے پہلے مذاہب عالم میں عورت کی حیثیت، مقام کیا تھا؟ کیا مذہب واقعتاً عورتوں کو انسان سمجھ کر ان کو مردوں کے برابر حقوق دیتا ہے؟ یا مذاہب میں عورت کمتر مخلوق اور محکوم ہی رہی ؟اس حقیقت کا تفصیلی جائزہ آئندہ صفحات میں لیا جائے گا۔اس سے یہ اندازہ لگانا بھی آسان ہوگا کہ اسلام نے دیگر مذاہب کے مقابلے میں عورتوں کے حقوق، مقام، مقصد تخلیق کے حوالے سے کیا فکر اور اصول دیئے ہیں؟

ا۔ ہندو مذہب میں خواتین کی سماجی حیثیت اور مقام

ہندو مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کے پیروکار کروڑوں کی تعداد میں اب بھی موجود ہیں:

> ''تاریخی اعتبار سے اسے ساڑھے تین ہزار سالہ قدیم مذہب کہا جا سکتا ہے۔''(5)

ہندو مذہب باقاعدہ ایک نظام حیات ہے۔اور باقاعدہ سماجی قوانین کے مجموعات پر مشتمل ہے:

> ''ویدیں اس کی مقدس کتب ہیں جن کے ساتھ ساتھ اپنشد، پران، گیتا اور سماجی قوانین کے مجموعے شاستر بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔''(6)

ہندو مذہب کا مرکز ہندوستان رہا ہے۔ ہندوستان ایک مذہبی ملک کی حیثیت سے دوسروں پر غالب رہا ہے۔ ہندوستان میں ہندومت نے سماجی زندگی میں عورتوں

کو کیا مقام دیا؟ اس کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

''ہندومت میں بھی عورت کو غلامی سے نجات نہیں ملی بلکہ اس مذہب میں عورت کی جس قدر تقدیس کو بدترین تذلیل میں بدلا گیا اور جس قدر عورت کی مٹی پلید اس مذہب میں ہوئی وہ کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی دو ہزار سال قبل مسیح ہندوستان میں عورت کا غلبہ تھا۔ عورت کو دیوی کا درجہ حاصل تھا اور اس کی پرستش کی جاتی تھی مگر اس کے بعد آریہ آئے تو انہوں نے اموی نظام کی کایا پلٹ دی اور یہی قبائل مردانہ اقتدار کے ایسے رسیا ہوئے کہ کہ انہوں نے عورت کی ذلت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ عورت کو ستّی کیا جانے لگا اور اس کی وقعت خشک تنکے سے زیادہ نہ رہی۔''(7)

ہندو مذہب میں عورت کے مقام کو اس کی مقدّس کتب اور قوانین کی روشنی میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ قدیم بھارت کے معروف قانون دان منوراج نے جو قوانین عورتوں کے حقوق و آزادی کے حوالے سے وضع کئے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں کہ عورت پیدائش سے لے کر موت تک آزادی اور خودمختاری کی فضاء میں سانس لینے سے محروم کر دی گئی تھی اس تناظر میں منو کے قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔

کم عمری کی شادی:

ہندو دھرم میں کم عمری کی شادی کا باقاعدہ ایک ضابطہ موجود تھا۔ جس کے تحت مرد کو یہ اختیار کلی دے دیا گیا کہ وہ نہایت کم عمر بچی سے شادی کر سکتا ہے منو کے ضابطہ میں بیان کی گئی اس مثالی شادی کا تصور درج ذیل ہے۔

''مرد جب سربراہ خانہ بنتا ہے اور اس کی عمر تیس برس ہو تو اسے اپنی پسند

سے بارہ سالہ لڑکی سے شادی کرنی چاہئے چوبیس سالہ شخص آٹھ برس کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے''۔(8)

اس ضابطے کے تحت عورتوں کے ساتھ کم عمری ہی سے ظلم و بربریت کا آغاز ہو جاتا ہے ہندو مذہب میں بیوہ شادی نہیں کرسکتی۔لہٰذا کم عمری میں بیوہ ہونے والی لڑکیاں تاحیات بے آسرا اور کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردی جاتی ہیں ایک عربی مفکر ہندوستان کی اس حالت کا تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''کہ وہاں ایک اور اہم نقصان دہ بات بھی ہے وہ یہ کہ وہاں کم عمری میں شادیاں کردی جاتی ہیں پانچ چھ سال کی عمر میں ہی ان کو دلہن بنادیا جاتا ہے اعداد وشمار کے مطابق وہاں چھبیس ملین بیوائیں موجود ہیں اور سب سے بری عادت ان کی یہ کہ بیوہ ہمیشہ بیوہ رہتی ہے۔شادی نہیں کرسکتی۔ ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان بیواؤں میں پندرہ ہزار کے قریب معصوم بچیاں اور چار لاکھ کے قریب نوجوانوں لڑکیاں ہیں جن کی عمریں پندرہ سال سے زائد نہیں''(9)

عورتوں کی آزادی اور خودمختاری پر قدغن:

ہندو دھرم میں عورت کو اس انداز سے مرد کے تصرف میں دے دیا گیا کہ وہ بلاشرکت غیرے اپنے تمام اختیارات میں حاکم کی حیثیت سے عورت کو جس طرح چاہے اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرے عورت کی ذاتی اناء،حیثیت اور احساسات کے احترام کا شائبہ تک نہ تھا عورت گوکہ معاشرہ میں آزادی کی نعمت سے محروم تھی ہی لیکن گھر کی چاردیواری میں بھی اسے ایک غلام کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا گیا منو کا ضابطہ قانون اس کی عکاسی اس طرح کرتا ہے۔

''وہ سربراہ خانہ کے قبضہ اور حفاظت میں گھر کے اندر ٹھہری رہیں ۔عورت خواہ نوجوان لڑکی ایک بالغ دوشیزہ یا ایک بوڑھی عورت ہو وہ خودمختیاری سے گھر کے اندر کوئی کام نہیں کرسکتی۔نوجوانی میں اسے باپ کے اختیار میں اور جوانی میں اپنے خاوند کے اختیار میں رہنا چاہیئے جب خاوند مر جائے تو اسے اپنے بیٹوں کی حفاظت میں ہونا چاہیئے اسے خودمختیاری کو پسند نہیں کرنا چاہیئے ۔اسے اپنے باپ،شوہر یا بچوں سے علیحدگی کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے ان سے علیحدہ ہوکر دونوں خاندانوں کے لئے بدنامی کا باعث بنتی ہے۔''(10)

عورت کو گھر کی چاردیواری میں محدود رہنے کے لئے یہ دلیل دی گئی ہے کہ:

''وہ گھر کی بھلائی اور روشنی کے لئے ہیں۔وہ پرستش کے لائق ہیں۔گھر میں ایک طرف عورت اور دوسری طرف دولت ،حسن اور تابناکی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔''(11)

عورت فقط اپنے شوہر کی خدمت تک محدود ہے اسے ہر حال میں شوہر کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھنا ہے۔زندگی میں اس کی خدمت کے لئے مامور رہے اور اگر وہ مر جائے تو دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لے اور جیسے تیسے زندگی کے دن پورے کرے منو کے ضابطہ قانون میں لکھا ہے کہ۔

''عورت کے لئے قربانی اور برت گناہ ہے اسے صرف شوہر کی خدمت کرنی چاہیئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام تک نہ لے۔آدھا پیٹ کھا کر زندگی کے دن پورے کرے۔''(12)

ہندوؤں کے مذہبی نظام میں عورت کی حیثیت مرد سے کم کردی گئی ہے اور اسے

سنیاس وغیرہ کے مذہبی عمل میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اسے فقط مرد کی مطیع قرار دیا گیا اس کا اندازہ ''پنداری ناتھ پربھو'' کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

''آشرموں کا نظام صرف تینوں اعلیٰ ورنوں کے مردوں ہی کیلئے تھا عورتوں کا اس میں براہ راست کوئی حصہ نہیں تھا البتہ مصنّفین نے اس طرف اشارے کئے ہیں کہ شادی عورتوں کے لئے 'اپا نیانا ں' رسم کا درجہ رکھتی ہے اور شادی شدہ زندگی میں وہ اپنے شوہروں کے ساتھ گرہست آشرم میں شریک رہتی ہے لیکن آخری دو آشرم ون پرستھ اور سنیاس جن کا تعلق براہ راست موکش حاصل کرنے سے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔''(13)

''اس سلسلے میں سمرتیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو عمر کے کسی حصے میں خودمختیار نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہر حال میں مردوں کی مطیع ہو کر زندگی گزاریں۔''(14)

عورت قابل بھروسہ نہیں:

ہندو مذہب نے جہاں سماجی زندگی میں عورت کو کم تر حیثیت دی وہاں اس نے عورت کی شخصیت کا بنیادی تعارف اس انداز سے کروایا کہ عورت ذات چالاکی، مکاری، دروغ گوئی، اور شیطانیت کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصور کی روشنی میں پنپنے والے معاشرے میں عورت کو قابل بھروسہ نہیں سمجھا گیا۔ اور اس کی حیثیت ایک مضر اور بے حقیقت شے سے زیادہ نہ رہی۔ منو کے ضابطہ قانون میں درج ہے کہ ''جھوٹ بولنا عورتوں کا ذاتی خاصہ ہے۔''(15)

''چانکیہ برہمن جس نے منوجی مہاراج کی منوسمرتی کو حشو و زوائد سے پاک کیا اور جس کی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا دستور العمل رہیں''(16)

عورت کے بارے میں وہ اظہار خیال کرتا ہے کہ۔

''دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے''(17)

''جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی، یہ عورت کے جبلی عیب ہیں''(18)

'' شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہئے۔''(19)

''آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔''(20)

''دوست، خدمت گار، اور عورت مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آجاتے ہیں۔''(21)

عورت کو طبعی اور فطری طور پر گندگی سے لبریز قرار دیا گیا کہ وہ صرف اور صرف معاشرے میں گمراہ کرنے، ورغلانے کا کام کرتی ہے۔ عورت کی تقدیس اور احترام کی ایسی دھجیاں اڑائیں کہ ایسا لگتا ہے کہ خالق کائنات نے عورت جیسی بدترین شئے پیدا کر کے معاشرے کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ عربی قلم نگار عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی بحوالہ ''رای ستراتشی'' رقمطراز ہیں کہ:

''ان کی (ہندوؤں) کی مقدس کتابوں میں ہے کہ جب عورت کو پیدا کیا

گیا تو اس پر بستر، بیٹھک، بناؤ سنگھار، خواہشات، برائی، غصہ، عزت سے بے گانگی اور برے سلوک کی محبت ان میں ڈال دی گئی اور فرض کر دی گئی اس لئے عورتیں اپنے نفس کی طرح گندی ہیں اور یہ ثابت اصول ہے کہ عورت کی یہ طبیعت ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں مرد کو گمراہ کرتی ہے اس لئے حکماء عورتوں سے مل بیٹھنے کو درست نہیں سمجھتے سوائے یہ کہ وہ انتہائی شریف، پاک دامن ہو یا شدید حفاظت کے ساتھ بیٹھے اور عورت ہمیشہ نیک نہیں رہتی۔''(22)

مزید بیان کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے ہاں یہ تصور تھا کہ:

''عورت ہی عار کی جائے صدور ہے جہاد میں تکلیف کی جائے صدور بھی عورت ہے دنیاوی وجود کی وجہ بھی عورت ہے اس لئے عورت سے ہمیشہ ہوشیار رہو اس لئے کہ عورت زندگی کے راستے سے محض کسی احمق ہی کو گمراہ نہیں کرتی بلکہ وہ دانا شخص کو بھی گمراہ کرنے پر قادر ہے۔''(23)

عورت کا مقصد تخلیق ویدوں کی روشنی میں:

ہندو سماج میں عورت بے بسی اور بے کسی کی تصویر نظر آتی ہے۔ اس کی حالت اس بے زبان کی طرح ہے جو کسی ظلم، زیادتی پر صدا بلند کرنے کی مجاز نہیں، بس ایک حیوان کی طرح جو بھی اس کی باگ سنبھالے تو وہ اس کے حوالے۔ ایک معروف عالم عبدالرحمٰن آزاد صدیقی لکھتے ہیں کہ:

''قرائن سے ظاہر ہے کہ آریہ قومیں شادی بیاہ کی رسم سے واقف نہ تھیں۔ یہ لوگ جس عورت کو چاہتے بلا کسی روک ٹوک اور قاعدے کے

وحشی جانوروں کی طرح حاصل کر لیتے تھے کیونکہ ان کا قومی قانون تھا کہ زر، زن، زمین کسی کی ملکیت نہیں جو حاصل کرے اس کی ملکیت ہو جاتی ہے''۔(24)

درج بالا بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کی حیثیت دیگر اشیاء مصرف کی طرح تھی۔ جو بھی اس پر قبضہ جما لے اس کی ہو جاتی تھی۔ ہندو مذہب میں ویدوں کو مقدس حیثیت حاصل ہے۔عورت کی زندگی کے مقصد کو وید اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''اشلوک''

1۔ برہمن ویدک کام کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

2۔ پانی پاخانے پیشاب سے ناپاک نہیں ہوتا۔

3۔ آگ کسی کو جلانے سے ناپاک نہیں ہوتی۔

4۔ عورت آشنا سے بھوگ (زنا) کروا کر ناپاک نہیں ہوتی۔

5۔ شادی سے پہلے کنواریوں سے دیوتا بھوگ (زنا) کرتے ہیں۔

6۔ پھر گندھرو (شیطان) ان سے بھوگ (زنا) کرتے ہیں۔

7۔ پھر کوئی انسان ان سے شادی کر کے بھوگ کرتا ہے۔

8۔ اور یہ سب کرنے سے عورتیں ناپاک نہیں ہوتیں۔''(25)

درج بالا عبارت وید مقدّس کی ہے جو آریوں کی الہامی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیوتاؤں نے حکم دیا ہے عورت کا مقصد تخلیق صرف استعمال ہونا ہے۔ پیدائش کے بعد ان کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور اسے دیوتاؤں

کی طرف سے تحفہ قرار دے کر یہ آزادی دے دی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیں۔

عورت کی زندگی اور موت پر مرد کا تصرف وتسلط:

ہندومت میں عورت بیچارگی اور محکومی ومحرومی کی ایسی حالت سے دوچار رہتی ہے کہ زندگی بھر وہ مرد کی دلداری، خدمت اس کے جبر سے ہمکنار رہتی ہے۔اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر کے مرد کی خواہشوں کا احترام کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ زندگی میں عورت مرد کی تابعداری کس طرح کرے۔اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ''قصہ الحضارۃ'' نامی کتاب میں ڈیورنٹ ول لکھتا ہے کہ:

> ''قدیم ہندوتہذیب میں بیٹی اپنے باپ کی ملکیت ہوتی تھی اور وہ اس سے من چاہا تصرف کرنے میں آزاد تھا، جب عورت کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے شوہر کی زندگی میں اس کی غلام بنی رہتی ہے، جب شوہر بے اولاد مر جاتا تو یہ اپنے شوہر کے رشتہ داروں کی ملکیت ہو جاتی تھی۔''(26)

زندگی میں شوہر کی تابعداری کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ:

> ''وفادار بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اس طرح خدمت کرے جیسے وہ کوئی خدا ہے اور کوئی تکلیف دہ بات یا کام نہ کرے اور شوہر جیسا بھی ہوحتیٰ کہ اچھی باتوں سے خالی ہو۔یعنی ہندوستانی عورت ایسی بیوی ہوتی ہے جسے اپنے اموال، اپنی املاک وغیرہ میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ وہ خود اور اسکی تمام اشیاء اس کے شوہر کے تصرف میں ہوتی ہیں۔''(27)

زندگی تو عورت نے مرد کے نام کر دی لیکن سب سے افسوس ناک بات یہ ہے

کہ مرد یعنی شوہر کی وفات کے بعد اس بے بس بیوہ کو مرد کے ساتھ آگ میں جلنا پڑتا ہے۔یعنی ''ستی'' ہونے کا حکم دیا جاتا ہے حیرت ہوتی ہے کہ مذہب کے نام پر اس قدر گھناؤنے افعال تاریخ میں روا رکھے گئے۔ ہندوؤں میں ستی کی اس رسم کے بارے میں معروف عالم ''سرکار زینی جار چوی'' تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

''براعظم ایشیا کے وسط مشرق سے جب آریہ قدیم ہند میں داخل ہوئے تو وہ پدری نظام کے عادی ہو چکے تھے۔جب انہوں نے ذاتی ملکیت کو رواج دیا تو عورت بھی مرد کی ملکیت کے زمرہ میں شامل کر لی گئی۔ملکیت ہو جانے کے بعد عورت کے تمام حقوق اس کے مالک و آقا، شوہر کی طرف منتقل ہو گئے اب عورت کا شوہر صرف شوہر ہی نہیں پتی دیوتا بھی تھا۔جس کے قدموں میں ''سیس نوانا'' اس کا منصبی فریضہ تھا چنانچہ عورت کو اپنے شوہر کی چتا میں جلنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ مذہبی رسم ستی کہلاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر عورت پر کیا ظلم ہوگا؟''(28)

موصوف اس رسم پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں:

''اس رسم کے خلاف عورت کے احتجاج پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اسے زبردستی پتی کی چتا میں جھونکا جانے لگا اگر وہ انکار کرتی تو اسے زبردستی آگ کے شعلوں کی نذر کیا جاتا تھا۔احتجاج میں شدت اور عورت کی نارضامندی دیکھ کر مندروں کے پروہتوں، پنڈتوں اور پجاریوں نے اس موقع پر وہی کردار ادا کیا جو سومیری پروہت اپنے وقت میں ادا کر چکے تھے۔انہوں نے ستی کی رسم کو تقدس کا درجہ دے دیا اسے دیوتاؤں کا حکم اور ان کی خوشنودی ظاہر کیا۔اور کبھی شوہر سے محبت اور وفاداری کا رنگ دیا

اور یہ باور کرایا کہ خوشی سے ستی ہونے والی عورت ''سورگ'' میں جاتی ہے۔ ان عقائد کو مزید پختہ کرنے کے لئے انھوں نے ایسی دیومالائی کہانیاں تیار کیں۔اور دعاؤں پر مبنی ایسی رسمیں تیار کیں کہ معصوم اور بے بس عورت لفظوں کے جال میں پھنس کر بخوشی ستی ہونے لگی۔اب یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی شوہر کی محبت اور وفاداری کے ثبوت کے طور پر برضا و رغبت ستی ہوتی تھی یا بیوگی کی حالت میں زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دیتی تھی کیونکہ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی۔''(29)

ستی کی یہ ظالمانہ رسم کب شروع ہوئی اور کن تاریخی مراحل سے گزری اس پر موصوف اظہار خیال کرتے ہوئے تاریخی حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں کہ:

''دو ہزار سال قبل مسیح آریوں نے وسط ایشیا سے ہندوستان میں آنا شروع کیا۔ یہ سلسلہ پانچ سو سال تک جاری رہا۔اس وقت تک کوئی ایسی رسم یا رواج اہل ہنود میں موجود نہ تھا۔آریوں میں بھی کوئی مذہبی رسم نہیں پائی جاتی تھی۔ پیدائش مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جب آریوں نے ہند میں اپنا تسلط قائم کرنا شروع کیا تو یہاں مادری نظام جاری تھا آریوں نے اپنے قومی ہیرو ''اندرا'' کو دیوتا بنا کر پیش کیا اور پدری نظام کے رواج کی طرف پہلا قدم بڑھایا۔ان ہی دنوں رگ وید کی ترتیب عمل میں آئی۔رگ وید میں جو ان کی اولین مذہبی کتاب ہے ستی کا کوئی حکم یا ایسی کسی رسم کا وجود نہیں ملتا۔اس کے بعد آریوں نے عورتوں کے حقوق و مناصب مردوں کو بھی دینا شروع کر دیئے یوں آہستہ آہستہ عورتوں کو ان کے حقوق سے بیدخل اور محروم کر دیا۔آریوں نے ذاتی ملکیت کو رواج دیا

تو بیوی بھی آگے چل کر ذاتی ملکیت شمار کی جانے لگی اس کے بعد ستی کی رسم کی ابتداء ہوئی اور اسے رواج دیا گیا۔''(30)

مذہبی طبقہ کس طرح عورت کے خلاف اس رسم قبیح کا موجد بنا اور اس کے در پردہ کیا حقائق تھے موصوف اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ۔

''مذہب میں یہ تصرف ان پروہتوں اور پنڈتوں نے کیا جو اس دور میں عورت کی جگہ لے چکے تھے اور کسی زمانہ میں عورت کے ماتحت تھے چنانچہ دھرم شاستر کی ترتیب ایک ہزار سال بعد از مسیح بتائی جاتی ہے اسی وقت سے ستی کا وجود نظر آتا ہے اور یہ ان ہی پروھتوں اور پنڈتوں کی اختراع ہے جو دیوتاؤں کے نمائندہ ترجمان بنے ہوئے تھے''۔(31)

عربی مفکر عبداللہ مرعی ''ستی'' کی اس گھناؤنی رسم کو مصنف ''قصة الخصارة'' کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب ہندوستانی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو اس کی زندگی اور حال اور بھی برا ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مر جانے (ستی ہونے) کا حکم دیا جاتا ہے یہ مضمون ان (ہندوؤں) کی اپنی کتب میں اس طرح ملتا ہے۔ بیوہ ہونے والی عورت کے لئے اچھا یہ ہے کہ وہ اس ایندھن پر خود کو ڈال دے جو اس کے شوہر کی چتا (میت) جلانے کے لئے رکھا گیا ہے جب لوگ اس کے شوہر کی میت کو لکڑیوں کے ڈھیر پر رکھ دیں تو یہ کپڑوں (چادر برقع وغیرہ) میں لپٹی آئے گی اور پنڈت اس کا برقع اتارے گا اس کے زیور سنگھار کی چیزیں اتار کر اس کے رشتہ داروں کے حوالے کر دے گا پھر چٹیا کھولے گا پھر بڑا پنڈت آ کر اس کا دایاں ہاتھ

پکڑ کر اسے ایندھن کے گرد تین چکر لگوائے گا پھر اسے ایندھن کے ڈھیر پر ڈال دے گا پھر یہ عورت اپنے شوہر کے پاؤں اپنی ٹھوڑی تک اٹھائے گی یہ اس کی شوہر کی تابعداری کا اشارہ ہے پھر یہ گھوم کر شوہر کے سرہانے بیٹھ جائے گی اور اپنا دایاں ہاتھ اس پر رکھ دے گی اور پھر لوگ آگ بھڑ کا دیں گے اور اسے شوہر کے ساتھ جلا دیں گے۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ نعمتوں کی جگہ پہنچ جائے گی پھر وہ اس کے ساتھ آسمان میں پینتیس سال رہے گی یہ عدد جسم میں موجودہ بالوں کا ہے ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اس عورت کے جلنے سے اس کی ماں کا خاندان اور شوہر کا خاندان بخش دیا جاتا ہے اسی طرح اس کا شوہر سارے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے چاہے اس نے اپنے دوست بھائی یا کسی برہمن اور پنڈت کو قتل کیا ہو۔ جلنے والی عورت سب عورتوں سے زیادہ پاک اور معزز نام والی سمجھی جاتی ہے اور اس کی اچھی شہرت ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں یہ عادت بڑی مشہور ہے اور موجودہ ادوار تک بھی یہ عادت چلی آ رہی ہے 1815ء سے لے کر 1825ء تک دس سال میں انہوں نے چھ ہزار عورتوں کو اس طرح ستی کر دیا تھا۔''(32)

بیوگی کا عذاب اور ہندو عورت:

ہندو مت میں جہاں شوہر کی وفات کے بعد عورت کو جل کر اپنی جان مرد کی تابعداری میں نچھاور کرنے کا حکم ہے وہاں اسے ایک دوسرے ''عذاب'' کے انتخاب کا بھی حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لئے بیوگی کی نذر کر دے۔ گویا ہر حال میں اس بے بس صنف کو زندگی کی پرچھائیوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ شوہر کی وفات کے

بعد بیوہ رہنے کی صورت میں خواتین کو زندہ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے جہاں نہ تو ان کے جسم سے روح نکلتی اور نہ انہیں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ابوریحان البیرونی لکھتے ہیں کہ:

''عورت کو جب اس کا شوہر مر جائے بیاہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اس کو دو حال میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا یا زندگی بھر بیوہ رہے یا جل کر ہلاک ہو جائے اور دونوں صورتوں میں سے یہ اس کیلئے زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ وہ مدت العمر عذاب میں رہے گی۔''(33)

ہندو سماج میں عورت کو جلنے کے بجائے زندہ رہنے کا جو حق بھیک کی صورت میں عطا ہوتا ہے۔وہ حق اسے ایسے نفرت انگیز ماحول میں دھکیل دیتا ہے کہ وہ نہ جیتی ہے اور نہ مرتی ہے۔بیوگی کے دوران اس اذیت ناک ماحول کا نقشہ کھینچتے ہوئے قصبتہ الخصارۃ کے مصنف عمر رضا کحالتہ لکھتے ہیں کہ:

''شوہر کے انتقال کے بعد عورت کا حال کیا ہوتا ہے کہ بیوہ عورت وہاں ہمیشہ نفرت آمیز اور دھتکاری ہوئی بن جاتی ہے لوگ اس کی طرف نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی ذلت اور رسوائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اسے دن بھر میں معمولی سا کھانا دیتے ہیں (روٹی کا ایک ٹکڑا) وہ نئی قمیض نہیں پہن سکتی۔چٹائی پر سوتی ہے سارے مشکل اور بڑے کام اس کے ذمے تھونپ دیئے جاتے ہیں اور کبھی مبالغہ کے طور پر اسے گنجا کر دیا جاتا ہے تاکہ بیوہ ہونے کی نشانی رہے۔''(34)

بیوہ ہونے کے بعد خواتین کو اقتصادی طور پر بھی کسی قسم کی مدد و تعاون کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔لہذا جہاں وہ معاشرے میں حقارت کا سمبل ہوتیں

> ہیں۔وہاں وہ اپنے پیٹ کو بھرنے کیلئے دردر پھرتی ہیں اور مرتے دم تک اذیت ناک زندگی سے ہم کنار رہتی ہیں۔''بیوہ ہو جائے تو شوہر کا ورثہ نہیں پاتی اسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔اور مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کسی مندر یا دھرم سالے میں جا کر پناہ لے۔یا محنت مزدوری کر کے زندگی بسر کرے یا بھیک مانگے۔''(35)

ہندو بیوہ خواتین اپنے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کیلئے مجبوراً ایسے پیشے اختیار کرلیتیں ہیں جن کی وجہ سے ان کی عزت وعصمت داؤ پر لگ جاتی ہے یا دوسری صورت میں اگر وہ نوجوان ہیں تو انہیں پھر مذہب کے نام پر مندروں میں بھینٹ چڑھنا پڑتا ہے جہاں وہ عیش پرست پنڈتوں اور پجاریوں کی ہوس ناکیوں کا شکار ہوتی ہیں اس کیفیت کو معروف قلم نگار عبدالرحمٰن آزاد صدیقی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

> ''اونچی ذات کے آریائی ہندو معاشرے میں بیوہ کو نکاح ثانی کا حق نہیں ہے ہاں کوئی داشتہ کے طور پر رکھ لے تو اور بات ہے۔نوجوان بیوائیں اکثر مندروں میں جا کر پجارن بن جانے کا شوق کرتیں ہیں مگر یہ شوق اسی وقت پورا ہوتا ہے جب وہ قبول صورت بھی ہوں۔یعنی خوبصورت عورتوں کو مندر کے پجاری اور پانڈے اجازت دے دیتے ہیں کہ بھگتوں کے کپڑے پہن کر وہاں رہیں۔مگر وہاں بھی انہیں کام دیو سے ہی سابقہ پڑتا ہے وہ پجاریوں کی ہوس کا شکار ہوتی ہیں راضی نہ ہوں تو نکالی جائیں ایسی عورتوں کو مانع حمل دوائیں دی جاتی ہیں اور حمل ٹھہر جائے تو اسقاط کی کوشش کی جاتی ہے۔اسقاط نہ ہو تو وضع حمل کے بعد

ایسے حرامی بچے مندروں کے تہہ خانوں میں مار کے دفن کر دیئے جاتے
ہیں۔اسی وجہ سے بیوائیں وہاں جانے سے گھبراتی ہیں۔خوبصورت اور
نوجوان عورتیں عموماً کوٹھے سنبھال کر طوائف بن جاتیں ہیں اور عمر رسیدہ
عورتیں مندروں کے سامنے یا سڑکوں پر بھیک مانگتی پھرتی دکھائی دیتی
ہیں۔‘‘(36)

ہندومت میں عورت کو انتہائی کمزور درجہ دیا گیا ہے۔اس کا شمار اشیائے صرف
اور معاشرے کے انتہائی پست طبقات سے متعلق صنف میں کیا جاتا ہے۔اور اس کی
خرید وفروخت بھی اسی طرح ہوتی تھی جیسے عام سہولیات کی اشیاء۔مردوں نے اپنی
حرص وہوس کے لئے اس کو بازار کی جنس بنا کر رکھ دیا۔ایک عربی قلم نگار ابوالحسن سعودی
اپنی کتاب ’’مروج الزھب ومعاون الجوہر‘‘ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

’’ الملوك واليس فى نساء الهند احسن من نساء هم
ولا اكثر منها جمالا وبياضا وهن موصوفات الخلوات
مذكورات فى كتب الباه و احل البحرينفسون فى
شرائهن يعرفن با لطا فنيات (ص 383۔384)‘‘

ترجمہ۔ ہندوستان میں کہیں یہاں سے زیادہ خوبصورت حسین اور گوری
عورتیں نہیں ہوتی وہ لطف خلوت کیلئے مشہور ہیں اور علم الباہ کی کتابوں
میں ان کا تذکرہ ہے۔سمندر کا سفر کرنے والوں میں ان کی خریداری کے
لئے بڑا مقابلہ ہوتا ہے۔ان عورتوں کو طافنیات (دکھن کی عورتیں) کہا
جاتا ہے۔‘‘(37)

درج بالا قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستانی معاشرے میں عورت کو اپنی

ہوس وحرص کیلئے ایک قابل فروخت اور خرید شئے کا درجہ دے دیا گیا ہے۔تاریخ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

''ہندوستان میں جولڑکیاں شوہر تلاش کرنے میں ناکام رہتیں انہیں بازار میں لاکر بیچ دیا جاتا۔''(38)

ہندو مذہب اور شادی بیاہ کی رسومات:

ہندو مذہب میں شاید سے پہلے عورت کومختلف ہنر جن کی تعداد 64 ہے سیکھنے ضروری ہیں یہ ہنرسیکھنے والی عورت شریف عورت کہلاتی ہے۔ایک قلم نگار عبدالرحمٰن آزادصدیقی اس کواس طرح بیان کرتے ہیں:

''شریف عورت: کے لئے ضروری ہے کہ 64 'ہنروں سے واقف ہو جن میں ناچنا، گانا، سینا پرونا، بناؤ سنگھار، غم زدہ وادا، مردوں کو لبھانے کے طریقے، کہانیاں سنانا، لطیفے اوراشعار یاد کرنا، کنائے اشارے سمجھنے کی استعداد پیدا کرنا، بھیس بدلنا، مجسمہ یا تصویریں بنانا، اور چوسر چپیسی وغیرہ کھیلنا سرفہرست ہے''(39)

اسی طرح ایک شریف مرد کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی چند ہنر سیکھے جن سے وہ عورت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔موصوف اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''شریف مرد: کے لئے عورت ہی کی طرح چند ہنرسیکھنے ضروری ہیں۔تا کہ اسے عورت حاصل کرنے میں مدد ملے مرد کوتعلیم حاصل کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔اگر برہمن ہے تو زیادہ دان

(خیرات) وصول کرنے میں مصروف ہو جائے۔ چھتری ہے تو جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے ویش ہے تو تجارت یا زراعت کے ذریعے جلد دولت جمع کرے۔ اور شودر ہے تو دوسروں کی خدمت کر کے کچھ مال جمع کرے۔ جو عورت کو دے کر اسے حاصل کر سکے پھر اسے اپنے لئے گھر بنانا چاہئے۔ اس میں پھولوں کے پودے اور باغیچے بنانا چاہئے۔ تاکہ گھر خوشبو سے معطر رہے اسے سورج نکلنے سے پہلے اٹھنا چاہئے۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وہ اپنے دانت مانجے، ہونٹ سرخ کرے اور اپنی صورت آئینے میں دیکھے پھر کچھ ورزش کرے، اور جسم پر تیل کی مالش کرے اور ہر دوسرے روز داڑھی مونڈھے اور پانچویں دن زیر ناف صاف کرے۔ ناشتے کے بعد کام شروع کرے، دوپہر کو آرام کرے اور شام کو دوستوں کے ساتھ کسی دانشور یا بڑے آدمی کے گھر جا کر شعر و ادب کی باتیں سنے یا گانا سنے اور خود گائے اگر آتا ہے۔ یہ سب سیکھنے کے بعد وہ بیوی حاصل کرنے کی فکر کرے جسکے بہت سے طریقے درج ہیں۔''(40)

درج بالا بیانات شریف عورت اور شریف مرد کے ہنروں پر تبصرہ پر مشتمل تھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کا ہنر فقط مرد کو لبھانے، اس کی حس جمال کو تسکین بخشنے پر مشتمل ہے۔ اور مرد تعلیم حاصل کرے لیکن عورت کے لئے اس حوالے سے کوئی نقطہ موجود نہیں۔ مرد معاشرے میں مقام پیدا کرے لیکن عورت کے لئے اس طرح کی سماجی شمولیت کا تصور موجود نہیں اس پر مزید یہ کہ ہندو مذہب میں مرد کو کھلی چھوٹ دی ہے۔ کہ وہ عورت کو حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کے حربے استعمال کر سکتا ہے۔ لہذا:

''شریف مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ میلوں ٹھیلوں میں شریک ہو اور

جشن منانے باغوں اور جنگلوں میں جہاں نوجوان عورتیں جاتی ہوں جائے اور ان سے ربط وضبط بڑھائے ، ناچے گائے اور عورتوں کا دل لبھائے دیوالی کے تہوار میں خاص کر شریک ہو، جو موسم بہار کی پہلی پورن ماسی کو آتا ہے۔''(41)

مردوں کو دیوالی کے جشن میں عورت کو حاصل کرنے کے لئے کس طرح کے حربے اور طریقے اختیار کرنے چاہئے ان پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالرحمٰن آزاد صدیقی تحریر کرتے ہیں۔

''دیوالی کا جشن :اس میں شرکت کے اصول یہ ہے کہ تمام امراء، وروَسا عوام کے ساتھ آگ کے گرد جمع ہوتے ہیں ۔ امراء کو چاہئے کہ اپنے ساتھ اپنے دھوبی، حجام، گوالے، مالی، بے طار وید، پان فروش و چوکیدار وغیرہ کو مع اپنی عورتوں کو شریک ہونے کی دعوت دیں۔ بلکہ مندروں کی پجارنوں اور بیواؤں کو بھی جو امراء کے گھروں میں نوکریاں کرتی ہیں ۔شریک کیا جائے اور گاؤں کے بڑے مندر کے پجاری کو نہ بھولا جائے جو عوام پر اپنا اثر رکھتا ہے۔تا کہ وہ بتا سکے کہ کام دیوتا کو خوش کرنے کے لئے کیا کیا کرنا ضروری ہے اور مردوں عورتوں کو آپس میں کس طرح بانٹنا چاہئے۔اور ایسا کرنے سے طرفین کو کتنا ثواب ہوگا وغیرہ۔''(42)

ہندو مذہب میں مردوں کے لئے عورتوں کے ساتھ اختلاط کے لئے مذکورہ جشن دیوالی ابتدائی تجربات کا درجہ رکھتا ہے۔اس کے لئے نوجوانوں کو عورت کے انتخاب یا اپنا جوڑا تشکیل دینے کیلیئے گر بتائے گئے ہیں ۔ کہ کس طرح عورت کو ایک کھلونے کی طرح اپنے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔اس کو بیان کرتے ہوئے ویدوں کے حوالے

سے عبدالرحمٰن آزاد صدیقی تحریر کرتے ہیں:

''نوجوانوں کو اپنا جوڑا تلاش کرنیکے کچھ گر بتلائے گئے ہیں:

1۔ جب لڑکی راضی ہو جائے تو اسے محفوظ مقام پر لے جاؤ برہمن کے گھر سے آگ لاؤ اور خوشک گھاس اس کے گرد بچھا دو پھر دونوں مل کر اس آگ کی پوجا کرو اور اس کے گرد تین بار گھوماو اور آگ کو گواہ بناؤ اور پھر صحبت کرو اور جا کر اپنے والدین کو بتا دو جو دوست احباب کو بتا دیں۔ اختلاف یا ناپسندیدگی کا کسی طرف سے اظہار ہو تو بزرگوں کو بیچ بچاؤ کر کے سب کو راضی کر لینا چاہئے۔

2۔ جب لڑکے اور لڑکی میں محبت پیدا ہو جائے۔ مگر لڑکی ہچکچاتی ہو تو لڑکے کو چاہئے کہ دیوالی کے موقع پر لڑکی نشہ آور شراب پلا کر کسی کونے میں لے جائے اور اس سے صحبت کرے۔ پھر آگ کے آگے آ کر اعلان کر دے کہ دونوں نے شادی کر لی ہے۔ اور پھر دونوں باقی رسوم ادا کریں (کام ستر ا)

ایسی ہی روایات کی وجہ سے ہندو معاشرے میں عورت کو کوئی خاص مقام حاصل نہ ہو سکا وہ مرد کا کھلونہ بن کر رہ گئی شادی کے معاملے میں اس کی رائے اور پسند کا دخل نہیں ہوتا۔''(43)

ہندو مذہب انسانی معاشرے کو چار طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ اس طبقاتی تصور کی وجہ سے نچلی ذات کے ہندوؤں پر بے انتہا مظالم ہوتے ہیں۔ اور انہیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ میل جول شادی، بیاہ اور دیگر معاملات میں برابری کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اسی حوالے سے عورت بھی اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مزید ظلم کی چکی میں پس کے رہ گئی ہے۔ جہاں وہ پہلے سے ہی ایک بے حقیقت شئے کی

صورت میں معاشرے میں دھتکاری ہوئی ہے ۔وہاں اگر اس کا تعلق کسی نچلی ذات سے ہے تو اب تو وہ بچے کچے حقوق سے بھی محرومی کی زندگی گزارتی ہے ۔شادی کے معاملے میں ہندوؤں کے طبقاتی نظام کی کیفیت یہ ہے کہ:

''اعلیٰ ورن کے مرد کی نیچے کے ورنوں کی عورتوں سے شادی زیادہ قابل قبول اور نیچے ورن کے مردوں کی اعلیٰ ورن کی عورتوں سے شادی سخت نامناسب قرار دی گئی ہے ۔اس میں بھی اعلیٰ ورنوں کے مابین شادی بیاہ کے مقابلے میں شودر ورن کی عورت یا مرد سے کسی اعلیٰ ورن کے مرد کے ازدواجی تعلق کو ایک الگ پیمانے سے جانچا گیا ہے۔ اوراس کو پہلی صورت حال کے مقابلے میں زیادہ سنگین نتائج کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ وشیٹھا سمرتی تو کسی اعلیٰ ورن کے مرد کی شودر ورن کو شادی کو قطعاً ممنوع قرار دیتی ہے جب کہ بعض دوسری سمرتیاں جن میں سب سے بااثر منو سمرتی بھی شامل ہے اس کے ایسے ناقابل قبول نتائج بتاتی ہیں کہ اس طرح کی شادی عملاً ممنوع ہو جاتی ہے بہرحال ورنوں کے مابین شادی بیاہ کے سلسلے میں تقریباً سب ہی سمرتیاں ان دو اصولوں پر کاربند نظر آتی ہیں ۔ایک تو یہ کہ اعلیٰ ورن کے مرد کی نیچے کے ورنوں کی عورتوں سے شاد ی کے سلسلے میں ان سبھوں کا رویہ زیادہ نرم اور آزادانہ ہے ۔جب کہ نیچے کے ورنوں کے مردوں کی اوپر کے ورنوں کی عورتوں سے شادی کے معاملے میں سبھی بہت سخت ہیں وہ اس طرح کی شادی کے امکان کو تو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ ان کے ورن کے نظام میں اس طرح کی شادی سے پیدا شدہ اولاد کے لئے بھی ایک جگہ مقرر ہے لیکن تقریباً سبھی

سمرتیاں اس کوایک بڑا گناہ خیال کرتی ہے سمرتیوں کے مطابق اپنے سے صرف ایک ورن سے نیچے سے متعلق بیوی سے پیدا شدہ اولاد سماجی رتبہ اور حقوق کے لحاظ سے اسی حیثیت کی حامل ہوگی جو اپنے ہی ورن کی بیوی سے پیدا شدہ اولاد کو حاصل ہوگی ۔لیکن ایک سے زیادہ نیچے کے ورن میں شادی کرنیکی صورت میں اس شادی سے پیداشدہ اولاد کی سماجی حیثیت میں فرق پڑجائے گا۔‘‘(44)

اس طرح ہندو ذات پات کے سماج میں عورت کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ اور حیثیت ہوتی ہے ۔ جیسے دیگر افراد کی اس نظام میں ہے ۔لیکن ایک نچلے ذات کی عورت کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اعلیٰ ذات کے مرد کی شریک حیات بن سکے۔ عملی طور پر تو یہ نا قابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے اور خصوصاً اعلیٰ ذات کے ہندو کے لئے تو توہین وتذلیل سمجھی جاتی ہے اور اسی طرح اعلیٰ ذات کی عورت نچلے ذات کے مرد کے ساتھ شادی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔اس ذات پات کے تصور نے عورت کی خواہشات اوراس کی اناء کو مزید مجروح کردیا ہے۔

خلاصہ کلام:

ہندو مذہب میں خواتین کا مقام کے حوالے سے گزشتہ بحث کا یہ خلاصہ سامنے آیا کہ ہندو مذہب کی مقدس کتب اور تعلیمات کے مطابق عورت ذاتی حیثیت میں مکاری، چالاکی، دروغ گوئی ،اور گناہ کا سرچشمہ ہے لہذا اس پر مکمل اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔عورت کی ذات فقط مردوں کی خدمت گاری، دلداری اور انکی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔اس کی آزاد اور خودمختار حیثیت کا تصور موجود نہیں۔

خانگی حیثیت میں وہ مکمل طور پر مرد کی بالادستی میں سونپ دی گئی ہے۔مرد کے ساتھ منسوب ہونے کے بعد وہ اپنی ذات کی نفی کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔مرد کے مرنے کے بعد اس کے بھی اپنی خواہش کے مطابق زندہ رہنے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔گویا اس کی زندگی کی تمام تر خوشیاں اس کے شوہر سے وابستہ تھیں۔بیوگی اس کے لئے تمام عمر ذلت،افلاس اور محرومی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

ہاں البتہ اس کو یہ حق ضرور دیا گیا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے کہ وہ بیوگی کے عذاب کو تمام عمر جھیلے یا اپنی زندگی کو آگ کی نظر کر کے اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہوجائے۔اس طرح بے رحمی سے اس مظلوم صنف کو زندہ جلا کر اسے آخرت میں جنتوں،نعمتوں کی بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔

اگرچہ کہ عصر حاضر میں ہندو مذہب کے ان ظالمانہ تصورات اور رسومات کے خلاف خود ہندوؤں کے ترقی پسند افراد جدو جہد کررہے ہیں اور اس سلسلے میں ستی کی رسم تقریباً ختم ہورہی ہے۔لیکن بیوگی کی تمام لعنتیں آج بھی ہندوستانی معاشرے میں موجود ہیں۔اور اس کے علاوہ سماجی زندگی میں مرد کی بالادستی کو مظاہر عام ہیں۔لیکن سائنسی فکر کے ارتقاء کے نتیجے میں جہاں توہمات اور فرسودہ روایات پر مبنی افکار دم توڑ رہے ہیں بعینہ اسی طرح ہندو مذہب کے پیروکار بھی اس کی فرسودہ انسانی حقوق کے منافی اقدار اور رسومات کو اپنی زندگی سے نکالنے کے لئے سرگرداں ہے۔لیکن وہ ہندو مذہبی لیڈر جنہیں اپنے ذاتی اغراض وخواہشات عزیز ہیں۔اور وہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مذہب کو آلہ کار بناتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ اس طرح کی کوئی تبدیلی عمل میں آئے۔لہذا وہ عوام الناس کے اندر اکثر اوقات مذہبی تعصّبات اور فرسودہ رسومات کا پرچار جاری رکھتے ہیں۔

نتیجتاً معاشرہ تہہ درتہہ ان فرسودہ تصورات پر تشکیل پا کر ان گھناؤنی رسومات کے چنگل سے اپنے آپکو نہیں نکال سکتا۔ لیکن وقت کے ساتھ تبدیلیاں پیدا ہورہی ہیں۔ ہندو مذہب میں جہاں کٹر انتہا پسند مذہبی رہنماء موجود ہیں وہاں ایسے مصلح بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو مذہب سے ان رسومات کا خاتمہ کرنیکے لئے مہم چلائی۔ ان میں سے ایک ''مصلح رام موہن رائے (1833ءتا1774ء) تھا جو جدید ہندوستان کا باپ کہلاتا تھا۔ رائے مبلغین کے ساتھ رضامندی پر مائل ہوا اورستی اور کم سنی کی شادی کوروکنے کی کوششوں میں مدد کی''(45)

۲۔ بدھ مت میں خواتین کی سماجی حیثیت اور مقام:

ہندومت عورت کے مقام پر بحث کے دوران یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ بدھ مت کے آغاز سے پہلے ہندوستان میں برہمن ازم کا مکمل غلبہ تھا۔ برہمنوں نے ایک ایسا طبقاتی تسلط قائم رکھا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ اپنی پر تعیش زندگی کو دوام بخشنے کے لئے دیگر نچلے اور کمزور طبقات کا مذہب کی آڑ میں استحصال کرتے تھے۔ اس استحصالی نظام میں عورت کی صورت حال سب سے زیادہ قابل رحم تھی۔ ایسی صورتحال میں گوتم بدھ نے اس استحصالی نظام اور فرسودہ روایات وتصورات کے خلاف آواز بلند کی اور بنی نوع انسان کی آزادی اور نجات کے لئے کاوشوں کا آغاز کیا۔ معروف ہندو قلم نگار'' کرشن کمار'' بدھ مت کے بارے میں اس انداز سے تبصرہ کرتے ہیں کہ:

> ''گوتم بدھ نے بدھ مت کے ذریعے برھمنوں کی بالا دستی اور ویدی مذہب کی کڑی زنجیروں کو ماضی کا قصہ بناتے ہوئے بنی نوع انسان کی آزادی اور اس کی نجات کے لئے کام کرنے کے اپنے عزم کا پرقوت اظہار کر دیا یہ امر حیران کن مگر خوشگوار ہے کہ بدھ مت جیسے نومولود مذہب

نے فوراً ہی نہ صرف مذہبی زندگی کا ایک نہایت ارفع واعلیٰ تصور پیش کر دیا بلکہ برہمن کے پرورش کردہ پیچیدہ مذہب کی تمام غیر انسانی اور شدت پسندانہ شرائط و قیود کو بھی یکسر نظر انداز کر کے نچلی اور کچلی ذاتوں کے نمائندوں کو مساویانہ سلوک کے ذریعے پہلی بار ان کے جداگانہ وجود کا احساس دلایا''۔(46)

ہندوستانی معاشرے میں جہاں مردوں کا استحصال ہوتا تھا وہاں عورتوں کے لئے مساوات اور برابری، حقوق کی حفاظت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ معاشرے میں عورت کا مذہبی، سماجی کردار نہ ہونے کے برابر تھا۔ بلکہ مذہبی رسومات اور روایات نے عورت کی زندگی اجیرن بنا دی تھی۔ ہندووٴانہ روایات نے مذہب کے بل بوتے پر عورت کو غلام بنا کر رکھ دیا تھا۔ نتیجتاً عام طور پر معاشرے میں گھریلو کام کاج اور مردوں کی عیش وعشرت کا ذریعہ ہی سمجھی جاتی تھی۔ ایسے عالم میں جب فرسودہ مذہبی روایات نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ گوتم بدھ نے اس میں اصلاح کے لئے آواز بلند کی۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب گوتم بدھ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ بدھ جماعت میں عورتوں کو شامل کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو بدھ نے کیسے حل کیا اس کو کرشن کمار اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اس دور میں بدھ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کیا عورت کو بھی مذہبی امور میں شریک کرنا چاہئے یا نہیں۔ ان کا تذبذب اور ہچکچاہٹ ان کے دور کے سماجی دھارے کے رخ نے عورتوں کی سنگھ (جماعت) میں شمولیت کے سوال پر بدھ کو متذبذب تو ضرور کر دیا لیکن روایات شکن دھرم کی تشکیل کرنے والے مصلح کو اس تاریخ ساز فیصلے سے باز نہ رکھ سکا۔ کہ نیا دھرم

مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی ایک کھلے دروازے کی مانند ہے
اس فیصلے سے خطے کی عورت کے سماجی اور مذہبی کردار کا تعین ہوا۔عورتوں
کی غیر گھریلو سرگرمیوں پر لگا رسم ورواج کا پہرہ ٹوٹ گیا اور انہیں پہلی بار
احساس ہوا کہ کچھ معاملات میں وہ مردوں سے بہتر نہیں تو کمتر بھی نہیں
ہیں۔ بدھ مذہب نے عورتوں کے لئے جماعت (سنگھی) کا الگ شعبہ
قائم کر کے گویا اس کو سرپرست کے رتبہ سے نوازا اس فیصلہ کے بعد جب
عورتوں کی کثیر تعداد بدھ دھرم کی پناہ میں آ گئی تو گوتم نے کھلم کھلا عورت
اور مرد کے مساوی حقوق کا اعلان کیا''۔ (47)

صدیوں پہلے بدھ نے یہ تاریخی اعلان کر کے عورت اور مرد حقوق کے اعتبار سے
برابر ہیں۔ایک طبقاتی معاشرے میں انسان دوستی،رحم،مساوات کی نئی تاریخ رقم کی۔
عورت کو گھر کے قیدی کی حیثیت سے نجات کی نئی راہ دکھائی اوران کو غلامی کی زنجیروں
کو توڑنے کا شعور عطا کیا۔ بدھ نے عورتوں کو مذہبی امور میں بالکل برابر کر دیا اوران
کے لئے ویسے ہی قوانین وضع کئے جو مردوں کے لئے بنائے گئے تھے۔

عورتوں سے بدسلوکی قومی زوال کی علامت:

بدھ نے جہاں دیگر اخلاقی تعلیمات کا درس دیا جن سے عورتوں کی عزت و
احترام کی تلقین ہوتی ہے وہاں اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، محبت،
شفقت اور رحم کی ہدایت کی ہے۔ بدھ نے کسی بھی قوم کی ترقی اور استحکام کے لئے جن
ضروری اخلاقیات کی تلقین کی ہے ان میں سے ایک عورتوں کے ساتھ حسن سلوک بھی
ہے۔ بدھ اپنے قریبی شاگرد آنند کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''کہ اوجیہ قوم کے لوگ ہمیشہ عمومی مجالس برپا کرتے اور تمام ضروری

امور آپس میں باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں۔ جب تک ان میں اتحاد و اتفاق رہے گا۔ جب تک وہ باہمی مشاورت کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہیں گے جب تک وہ اپنے بزرگوں، مذہبی رہنماؤں اور عالموں کی قدر و منزلت کرتے رہیں گے جب تک ان کیطرف سے عورتوں کے ساتھ بدسلوکی نہ ہو گی۔ تب تک انہیں زوال نہ آئے گا بلکہ وہ مائل بہ عروج رہیں گے۔''(48)

مردوں پر عورتوں کے حقوق شوہر کی حیثیت سے:

بدھ نے اپنی تعلیمات میں عورتوں کی عزت و احترام، حسن وسلوک کی واضح تلقین کی ہے وہاں اس نے ایک ضابطے کے ذریعے مردوں کو کچھ حقوق کا پابند کیا ہے کہ وہ عورت کو بیوی کی حیثیت سے کیا مقام دیں اور کس طرح کا سلوک کریں۔ بدھ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کے حوالے سے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ شوہر:

''1۔ بیوی کے ساتھ عزت بھرا برتاؤ کرے۔

2۔ اس کے ساتھ نیکی کرے۔

3۔ وفاداری سے رہے۔

4۔ دوسروں کے عمدہ سلوک کو یقینی بنائے۔

5۔ اسے مناسب زیور اور ملبوسات مہیا کرے۔''(49)

ہندوستانی معاشرے میں جہاں مرد بیوی کو غلام سمجھ کر تحقیر سے پیش آتا تھا۔ اس کو فقط حرص و ہوس کی تکمیل کا درجہ دیتا تھا اسکے نان و نفقہ کے حوالے سے کسی شئے کا

مالک نہیں سمجھتا اور نہ اس حوالے سے اپنی ذمہ داری قبول کرتا تھا۔اس صورتحال میں گوتم بدھ کی مذکورہ تعلیم مردوں کی جابرانہ روش کے خلاف ایک بہت بڑے سماجی انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔

خانگی ذمہ داریاں اورعورت:

معاشرے کی اکائی چونکہ گھر ہوتا ہے۔اگر وہ مستحکم ہےتو پورے معاشرے کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اکثر مذاہب کی تعلیمات کی طرح بدھ نے بھی عورت کوگھریلو زندگی میں اہم کردار ادا کرنے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی کی تلقین کی ہے۔تاکہ گھر کواستحکام حاصل ہوسکےاور خانگی معاملات میں کسی قسم کی گڑ بڑ پیدا نہ ہوسکے۔عورت کی گھریلو ذمہ داریوں کے بارے میں بدھ کی تعلیمات میں درج ہے کہ:

”1۔ گھر داری کا معقول انتظام کرے۔

2۔ خاوند کے احباب واعزاء کی تواضع کرے۔

3۔ باعفت وعصمت رہ کر۔

4۔ آمدن کی مطابقت سے خرچ کرے۔

5۔ جملہ امور خانہ داری ہنر،سلیقے اور مستعدی سے انجام دیکر۔“(50)

اس طرح ایک بیوی اپنے شوہر کی خدمت اور گھر کی خوشحالی اور استحکام کے لئے کام کرسکتی ہے۔

اگر چہ کہ بدھ نے عورت کوگھریلو زندگی میں انتظام کا اختیار دیا ہےلیکن وہ عورت

کے کردار کو فقط گھر تک ہی محدود دیکھنا چاہتا ہے اور عورت کی صلاحیتوں کو فقط گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانے تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ حالانکہ ہندو مذہب میں بھی عورت کو فقط گھریلو زندگی کی ایک قابل مصرف شئے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بدھ نے اس کے اندر تھوڑی سی اصلاح تو کر دی کہ اس کی گھر میں عزت ہو احترام ہو اور کسی درجے میں وہ انتظام میں دخیل ہو۔ لیکن وہ اس سے زیادہ کی جراءت نہ کر سکا۔ اور عورت کو پھر بھی باہر کی دنیا کے بجائے گھر کی چار دیواری میں رکھنے کا قائل نظر آتا ہے۔

بدھ مذہب میں عورت سے خبردار رہنے کی ہدایت:

بدھ مت چونکہ رہبانیت کا قائل ہے۔ لہذا وہ سماجی زندگی سے کٹ کر زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور اسی زندگی کو مثالی قرار دیتا ہے جس میں شادی کا تصور نہ ہو۔ لہذا وہ اس سلسلے میں عورتوں سے دور رہنے کی اور ان سے خبردار رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک مصنف ''لیوس مور'' بدھ کے ان تصورات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''بدھ نے اگرچہ عورتوں کو اپنی جماعت میں جگہ دی تھی اور مردوں کی طرح عورتیں بھی بھکشنیاں بن سکتی تھیں۔ لیکن حقیقت میں بدھ فرقے کا اصل عورتوں کو مردوں سے دور رکھنا ہی تھا۔ کیونکہ بدھ مذہب میں تیاگ اور بیراگ کا ایک بڑا مقام ہے۔ حظ نفس کا نہیں۔ بدھ نے کہا کہ عورتوں کے خطرات سے بچتے رہیں اس کے خیال میں مثالی زندگی وہ ہے کہ عورتوں سے دور رہا جائے اور ممکن ہو تو کسی بھی حالت میں ان سے ملے بغیر زندگی گزاری جائے۔
>
> ایک بار بدھ نے اپنے خاص شاگرد آنند سے کہا تھا۔
>
> آنند نے کہا: ''اگر انہیں دیکھنا پڑے تب''؟

بدھ نے کہا: ''بہت خبر دار رہو آنند''۔

پھر بھی بدھ نے اپنے عام پیروکاروں اور گرہستوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی عورتوں کو اپنا دوست سمجھو اور ان پر یقین رکھو۔ عام بھگتوں (مستقیوں) کو یہ نصیحت کی تھی کہ ماں باپ کی خدمت بیوی اور بچوں کی صحبت اور پرسکون محنت ہی سب سے بڑی دعا ہے۔''(51)

بدھ مت کے اجتماعی تاریخی تجزیہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ مذہب بھی عورت کو اعلیٰ مقام نہ دلا سکا۔ اس کے برعکس کسی درجہ میں اخلاقی تعلیمات کا درس ضرور ہے مگر ساتھ ساتھ عورت سے کراہت اور تحقیر کے ثبوت بھی ملتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار ایک بدھ مفکر ''چھلاوا گا'' ایک قول بیان کرتا ہے جسے ایک قلم نگار ''اولڑ بزگ'' نے اپنی کتاب ''بدھا'' میں نقل کیا ہے کہ:

''پانی کے اندر مچھلی کی نا قابل فہم عادتوں کی طرح کی فطرت بھی ہے۔ اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں، اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں ہوتا۔''(52)

اس مذکورہ قول میں عورت کو فطری طور پر مکار اور سچائی کی صلاحیت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ سمجھایا گیا ہے کہ عورت کے اندر تضادات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ اس کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ قول اگر چہ کہ بدھ مذہب سے تعلق رکھنے والے ایک مفکر کا ہے۔ جس نے شاید بدھ کی ان تعلیمات کو جن میں بدھ عورتوں سے خبر دار رہنے کی تلقین کرتا ہے، کو بنیاد بنا کر ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

عورت کے بارے میں بدھ مذہب نے اس پہلو پر زیادہ زور دیا کہ اگر ایک فرد اپنا تزکیہ اور نجات چاہتا ہے اور مذہبی حوالے سے ترقی چاہتا ہے تو عورت سے دور رہے۔تا کہ اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ بدھ مت کی تعلیمات مادی زندگی کے تقاضوں سے زیادہ مابعدالطبیعاتی ترقی پر زیادہ اصرار کرتی ہیں۔اور عورت کے ساتھ تعلقات کو وہ نجات کے عمل میں زبردست رکاوٹ تصور کرتی ہیں۔

معروف عالم ڈاکٹر حافظ ثانی اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''بدھ مت کی تعلیمات اور عقائد کے مطابق عورت کی ذات مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہے اور مکتی اور نجات حاصل کرنے کے لئے اس سے دوری ضروری ہے۔عورت نجات حاصل کرنے کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔انہی خیالات کا عکس گوتم بدھ کی تعلیمات و تلقینات میں نظر آتا ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو۔تو تمہیں اپنی عورتوں سے تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں ۔ چنانچہ موصوف خود بھی اس نظریے پر عمل پیرا ہوئے بدھ نے اپنی چہیتی بیٹی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی''(53)

تجزیہ نگاروں نے جہاں بدھ کی تعلیمات سے یہ نتائج اخذ کئے کہ وہ عورت کے وجود سے نالاں تھا اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے پیروکاروں کو عورت سے دور رہنے کی تلقین کی۔میرے خیال میں اگرچہ بدھ نے عورت کے وجود سے اپنے آپکو الگ رکھنے کی تعلیم دی۔اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ روحانی ترقی اور تزکیہ کے لئے اپنے نفس کی خواہشات کو مارنا تھا۔کیونکہ جہاں اس کی تعلیمات غذائی بھوک کو برداشت کرنے اور دیگر مختلف طریقوں سے اپنے آپکو مشقتوں سے گزارنا تھا تا کہ نفس کا

تزکیہ اور اصلاح ہو۔ لہٰذا اسی طرح اس نے جنسی خواہشات کو بھی ختم کرنے کا یہی حل نکالا۔ گویا رہبانیت کی تکمیل کے لئے بدھ کی یہ حکمت عملی آگے چل کر تنقید کا نشانہ بن گئی کہ وہ عورت سے بیزار ہے۔

> ''(بدھ سے پہلے) یہاں تک کہ سال میں ایک مرتبہ خاص موقع پر تمام لوگ اکھٹے ہوتے ہیں اور اپنی جنسی تسکین کے لئے مذہب کے نام پر سب کچھ کر ڈالتے اور اس دوران ماں، بہن، بیٹی کے کسی رشتے کا کوئی خیال نہ کیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں گوتم بدھ کی ایک شخصیت تھی جس نے اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کیا حصول نروان کے لئے اتج وتخت کو ٹھکرایا اور جنسی بے راہروی کو گناہ قرار دے کر عورت کے تقدس کو بحال کیا۔''(54)

خلاصہ کلام:

بدھ مذہب جو کہ برہمنیت ازم کے طبقاتی اور عدم مساوات کے ماحول کے خلاف آزادی اور حریت کی صدا تھی اور وہاں فرسودہ خیالات اور رسومات کے خلاف بھی نسبتاً جدت اور بلند تر اخلاق کی دعوت تھی۔ چونکہ ہندوستانی معاشرے میں عورت ان فرسودہ روایات کی بھینٹ چڑھ رہی تھی اور اس کی رائے و برابری کا کوئی تصور تک موجود نہ تھا۔ بدھ نے ایسے ماحول میں عورت کو مساوات کی طرف لانے کی ایک سعی ضرور کی ہے۔

بدھ مت کی تعلیمات کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ میاں بیوی کے تعلق اور انکے باہمی سلوک کے باقاعدہ قوانین اور قواعد وضع کئے گئے۔ شوہر کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے اعتبار کو ٹھیس نہ پہنچائے اسکی عزت وتکریم دل سے

کرے اس کے نان نفقہ کا خیال رکھے۔

عورت کو گھریلو زندگی کے معاملات کو احسن طریقے سے چلانے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور شوہر کی خدمت اور وفا شعاری کی تعلیم دی گئی ہے۔ بدھ البتہ غیر شادی شدہ زندگی کو افضل سمجھا تھا۔ کیونکہ اس کا اصل رجحان رہبانیت کی طرف تھا۔ بدھ نے عورت کو ماں کی حیثیت سے قابل احترام قرار دیا ہے اور ماں کی عزت کرنے کی تلقین کی ہے۔ بدھ نے روحانی زندگی میں عورت کی شرکت کو یقینی بنایا۔ اور اس نے یہ تلقین کی کہ عورت بھی روحانی تزکیہ میں مرد کے برابر کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ کی زندگی میں 73 عورتیں اور 107 مرد سنیاسی بن کر روحانیت کے مقام پر فائز ہونے کی کوشش کر چکے ہیں۔ بدھ کی مذہبی اور تبلیغی سرگرمیوں کی اعانت کے لئے سب سے زیادہ مالی مدد عورتوں نے کی بدھ نے ایک عورت کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا جو کہ بھکشوؤں کی کفالت کا انتظام کرتی تھی۔

> ''ایک اعلیٰ مذہبی عورت جو بھوکوں کو کھانا دیتی ہے وہ اسے کھانے کے ساتھ چار چیزیں دیتی ہے۔
>
> 1۔ زندگی کی توانائی دیتی ہے۔
>
> 2۔ حسن عطا کرتی ہے۔
>
> 3۔ خوشی دیتی ہے۔
>
> 4۔ اور قوت دیتی ہے۔''[(55)]

بدھ نے جہاں عورت کو برابری کا درجہ دیا وہاں اس نے عورت کو گھریلو زندگی

تک محدود رہنے کا تصور بھی دیا اور یہ باور کروایا کہ اگر عورت اپنی گھریلو زندگی سے نکل کر گھر سے دور رہے گی تو اسکے اثرات مذہب یا مت پر پڑیں گے اور وہ زوال کی طرف بڑھ جائے گا۔ یہاں بدھ نے عورت کو پھر بھی ایک محدود دائرے کا پابند قرار دیا اور شاید وہ یہ سمجھتا تھا کہ عورت کا اصل مقام گھریلو زندگی اور مرد کی وفا شعاری اور اس کی خدمت گاری ہے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے کہ:

''عورتوں کو جماعت میں شامل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ 500 سال کے اندر اندر لوگ مذہبی قواعد بھول جائیں گے۔''(56)

اس نے واضح طور پر کہا تھا:

''کسی بھی مت نظریہ یا نظم وضبط کے مطابق جہاں عورتوں کو گھریلو زندگی سے نکال کر گھر سے دور رہنے کی اجازت دے دی گئی وہ مذہب یا مت زیادہ وقت تک نہیں ٹھہر سکتا۔''(57)

لب لباب یہ کہ بدھ مت کی تعلیمات نے بھی عورت کو اسی مقام پر رکھا جہاں دیگر مذاہب نے اس کی حیثیت کا تعین کیا۔ درج ذیل نکات اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔

عورت کو مرد (شوہر) کی تابعداری کا حکم دیا۔

☆ عورت کی اجتماعی تحریکات کے لئے موزوں خیال نہیں کیا۔

☆ عورت کو فقط گھریلو زندگی تک محدود رہنے کی فضیلت بتائی۔

☆ البتہ اسے ایک کمزور حیثیت سے عزت کا مستحق قرار دیا۔

☆ ایک ماں کی حیثیت سے اس کو قابل احترام قرار دیا۔

☆ عورت کو روحانی تزکیہ کے ذریعے بہترین حد تک پہنچنے کی اجازت دی۔ لیکن ساتھ ساتھ کسی مذہبی تحریک میں اس کی مسلسل شمولیت کو اس مذہب اور مت کے لئے خطرناک قرار دیا۔

۳۔ جین مذہب میں خواتین کا مقام اور حیثیت:

''چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندومت کے خلاف دو احتجاجی تحریکیں ابھریں۔ یہ دونوں مخالفین جین مت اور بدھ مت تھے۔ اور انہوں نے ویدک ادب اور برہمن گرو کی تعلیم میں پیش کئے جانے والے نروان کو متبادل معنی دیئے۔ جین مت اور بدھ مت دونوں نے وید کی قطعیت کو بحیثیت الہامی صحائف مسترد کر دیا اور ہندوستانی ذات پات کے نظام کی مذہبی اہمیت سے انکار کیا۔ ان دونوں نئے مذاہب (یا ہندوستان کی نئی صورتوں) میں سے جین مت غالباً پہلا ہے۔''(58)

جین مت کا بانی مہاویر کو سمجھا جاتا ہے۔

''مہاویر کی زندگی حکایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ درحقیقت راسخ العقیدہ جین مت میں مہاویر بانیوں کے طویل سلسلہ میں سب سے آخری تھا۔ مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ مہاویر سمیت ان لوگوں کو تیر تھنکر کہا جاتا ہے۔ انہیں ایسے مثالی انسان سمجھا جاتا ہے جنہوں نے اس زندگی اور نروان کے درمیان پل قائم کیا۔''(59)

مہاویر عدم تشدد کا داعی تھا۔ اور اس نے نہ صرف خود پوری زندگی اس پر عمل کیا بلکہ اپنے پیروکاروں کو بھی سختی کے ساتھ تمام جانداروں پر رحم اور کرم کی ہدایت دیں۔

مہاویرانسانوں کودکھ پہنچانے کو بڑا گناہ سمجھا تھا۔اس کا قول ہے کہ:

''راست رویے کا جو ہر کسی کو نقصان پہنچانا ہے آپکو صرف یہ معلوم کرنا چاہئے کہ عدم تشدد ہی مذہب ہے۔''(60)

ہندوستان میں بدھ مت کی طرح جین مت نے بھی ہندوستانی معاشرے پر اثرات مرتب کئے جین مت کا بانی مہاویرجین کو کہا جا تا ہے۔لیکن بعض شواہد اسکی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔بقول عمادالحسن آزاد فاروقی۔

''جہاں تک تاریخی اعتبار سے اس نظریہ کی صحت کا تعلق ہے اس بات کے قوی شواہد موجود ہیں کہ مہاویرخود جین مذہب کے بانی نہیں تھے بلکہ ان سے پہلے سے یہ مذہبی روایت ہندوستان میں چلی آ رہی تھی اور مہاویر کا خاندان بلکہ جنا تا چھتریوں کی پوری برادری جس سے کہ مہاویر کا تعلق تھا۔ پہلے سے جین مذہب کی پیروکار تھی جہاں تک مہاویر کا تعلق ہے انہوں نے سنیاس لے کر جین مذہب کے مقصد اعلیٰ کیولیہ (تجرید محض) کو حاصل کیا اور اپنے دور میں جین مذہب کے سربراہ بن گئے۔''(61)

ہندوستانی معاشرے میں جین مت کے پیروکاروں کی کاوشوں پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے موصوف رقم طراز ہیں:

''زبان، ادب، فنون لطیفہ، فلسفہ، اخلاقیات اور دیگر علوم وفنون میں معیاری خدمات کے علاوہ جین مت کے پیروکاروں نے ہندوستان کی سیاسی اور معاشی زندگی میں بھر پور حصہ لیا ---اسی طرح سماجی میں خدمت اور فلاح و بہبود کے عوامی کاموں میں حصہ لینا ابتداء سے ہی جین

روایت کا حصہ رہا ہے اور اس طرح سے بھی انہوں نے بلاتفریق مذہب و
ملت ہندوستانی عوام کی بہت خدمت کی ہے۔''(62)

جین مذہب جہاں عدم تشدد کی اساس پر انسانوں کو دکھ دینے کی ممانعت کرتا ہے۔ وہاں رہبانیت اختیار کرنے کا نظریہ دے کر ہر طرح کی دنیاوی آسائشوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کی تلقین کرتا ہے۔ اور ہر طرح سے نفس کشی پر زور دیتا ہے۔ اس تناظر میں جنسی تعلق کو بڑی راحت تسلیم کرتے ہوئے اس کے تدارک کی تلقین کرتا ہے۔

مہاویر نے نہ صرف جنسی سرمستوں سے دستبرداری اختیار کی بلکہ عمومی طور پر عورتوں سے بھی دستبردار ہو گیا اس نے کہا:

''عورتیں دنیا میں تحریص کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔''(63)

لہٰذا آج انتہائی تنگ نظر جینی فرقے عورت کو آشرم میں مکتی سلاش کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے مہاویر کا یہ نظریہ کہ عورت تحریص کا بڑا ذریعہ ہے اس کی انتہا پسندانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ عورت کی شخصیت کو معاشرے کے اندر ناقابل اعتمادی کی فضاء سے ہمکنار کرتا ہے۔ نیز اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ عورت روحانی اور فکری ترقی میں اس وجہ سے رکاوٹ ہے کہ وہ مردوں کی حرص میں اضافہ کر کے انہیں گمراہی کے راستے پر ڈالتی ہے۔ مہاویر خود ایک بیٹی اور بیوی کو چھوڑ کر قطع تعلق کر دیا بلکہ اپنے گھر اور خاندان کی ملکیت سے بھی دستبردار ہو گیا۔

لیوس مور لکھتے ہیں کہ:

''جینیوں کی آخری قسم ہر قسم کے تعلق سے دستبرداری ہے۔ دوسرے افراد یا اشیاء سے تعلق اور محبت ایسا عنصر ہے جو انسان کو زندگی سے باندھے رکھتا

ہے۔اسی وجہ سے مہاویرا اپنے خاندان اور ملکیتی اشیاء سے دستبردار ہو گیا۔اور کسی جگہ پر ایک دن سے زیادہ ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔تا کہ کوئی تعلق قائم نہ ہو سکے۔'' (64)

جین مذہب میں شادی کر کے عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کی اگر چہ عام جینی کو اجازت ہے۔لیکن اس کو بہترین زندگی نہیں سمجھا جاتا۔اس کو لیوس مور اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ایک عام جینی انسان شادی کر سکتا ہے اور خاندان بنا سکتا ہے لیکن اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ مثالی زندگی نہیں گزرار ہا اور اس زندگی میں نجات کی توقع نہیں کرتا۔''(65)

درج بالا بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کے ساتھ تعلق بنا کر خاندان کی تشکیل کے عمل میں حصہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ نجات سے ہاتھ دھونا۔

جین مت میں مختلف فرقے ہیں جو عورت کی ذات کے حوالے سے متضاد رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ان کے دو بڑے فرقے ہیں ایک فرقہ شویتامنبر (سفید لباس) ہے اور دوسرا فرقہ دیگامنبر (آسمانی لباس) ہے۔

شویتامنبر فرقہ عورت کی شخصیت کے حوالے سے ایک نرم گوشہ رکھتے ہیں اور انہیں اپنے مذہب اور عبادت گاہوں میں داخلے کی اجازت دیتے ہیں۔

''وہ مذہب اور آشرم میں عورتوں کے داخلے کی اجازت دیتے ہیں اور عورت کے نروان پا لینے کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔''(66)

جبکہ دوسرا فرقہ دیگامنبر کے پیروکار:

''یہ یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں کو مکتی پانے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہے اور وہ مرد کے لئے سب سے بڑی تحریص ہیں۔ لہٰذا عورتوں کو آشرم اور معبد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا۔ دیگامنبر تو یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ مہاویر نے شادی کی تھی۔''(67)

مذکورہ بالا جین مت کے فرقوں کی جو صورتحال سامنے آئی ہے اس سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ مہاویر کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر ایک فرقہ عورت کو پست درجہ دیتا ہے اور دوسرا کسی حد تک اس کو حقوق دیتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مردوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے روایتوں، تفسیروں اور حکایتوں کی من پسند تشریحات کر کے عورت کو من چاہا درجہ دیا۔ جس طرح باقی مذاہب کے پیروکاروں نے اختراعات، رسومات اختیار کر کے عورت کو طرح طرح سے اپنے مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا اور اس تمام عمل کو مذہبی فریضہ اور تقدس کا نام دیا گیا۔ اسی طرح جین مت میں بھی ایک مرد نے (مہاویر) عورت کے بارے میں ایک رائے دی۔ اگلے وقت میں آنے والے مذہبی لیڈروں نے اس کو خوب اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

خلاصہ کلام:

جین مت ہندومت کی ہی ایک نئی شکل کے طور پر سامنے آیا۔ خاص طور پر خواتین کے حوالے سے اس مذہب کی تعلیمات میں کوئی قابل ذکر مواد موجود نہیں ہے۔ عدم تشدد پر کاربند جین مت تمام جانداروں سے رحم کرم کے رویے کی تبلیغ کرتا ہے۔ مہاویر نے اپنی عملی زندگی میں اس پر عمل کر کے دکھایا۔ خواتین کے حقوق، مقام اور حیثیت کے حوالے سے اس رہبانی مذہب کے عقائد میں اساسی تصور یہ پایا جاتا ہے کہ عورت سے خبردار رہو۔ کیونکہ وہ حرص و ہوس کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس طرح

انہوں نے عورت کی ذات کو مردوں کے لئے گناہ کا سب سے بڑا وسیلہ قرار دیا۔ اور سماجی زندگی میں عورت کو بے اعتمادی کی فضاء میں دھکیل کر اس کی حیثیت کو کم سے کمتر کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جین مت کے بعض فرقے عورت کو مذہب میں داخلے، عبادت گاہوں میں داخلے کی اجازت نہیں دیتے اور انہیں حرص و ہوس کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے انہیں اس قابل نہیں گردانتے کہ وہ کوئی روحانی ترقی یا تزکیہ حاصل کر سکتی ہیں گویا جین مت نے بھی بدھ مت کی طرح عورت کو بہرحال روحانی ترقیات میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا۔

جین مذہب کے پیروکاروں نے اگرچہ ہندوستانی معاشرے میں تمدنی زندگی کے ارتقاء میں زبردست حصہ لیا لیکن وہ بھی عورت کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔ اور انہوں نے بھی دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اس حرص و ہوس کا سمبل قرار دیکر اس سے خبردار رہنے کی تلقین کر کے اس کو معاشرے میں پستی سے دوچار کر دیا۔ حالانکہ تمدنی ارتقاء بغیر مضبوط اور مستحکم خاندان کی تشکیل کے بغیر ناممکن ہے۔ اور اس ارتقائی عمل میں خواتین کا کردار انتہائی اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ سماجی زندگی سے کٹا ہوا یہ جین مت اگر عورت کے ساتھ جینی مرد کو شادی کی اجازت دے بھی دیتا ہے لیکن اس کو یہ احساس تاعمر رہتا ہے کہ اس کی بخشش اور نجات کبھی نہ ہو گی۔ مہاویر کا عدم تشدد کا نظریہ اگرچہ کہ تمام جانداروں کو دکھ دینے کی نفی کرتا ہے۔ لیکن عورت کے ساتھ اس طرح کا رویہ اور ایسے تصورات جن کی بنیاد پر اسے مردوں کے روحانی ارتقاء کے لئے خطرہ قرار دیا جائے کیا جائے عورت کے احساسات اور جذبات کا خون نہیں۔ کیا وہ اذیت سے دوچار نہیں ہو گی کیا اس کو دکھ نہ ہوگا؟ لیکن کاش مذہب کے یہ تصورات کسی عورت نے اختراع کئے ہوئے تو شاید عورت ہی وسیلہ گناہ نہ قرار دی جا سکتی۔

۴۔ یونانی تہذیب وتمدن میں خواتین کا مقام اور حیثیت:

یونانی تہذیب وتمدن تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یونانی تہذیب کی ترقی نے بہت سی تہذیبوں کو بنیادیں فراہم کیں۔

> ''قدیم تہذیب کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے ملتی ہیں۔ انہوں نے تہذیب وتمدن اور علوم فنون میں اس قدر ترقی کی کہ اس کی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے۔''(68)

وہ یونان جہاں تہذیب وتمدن کے سرچشمے ابلتے تھے وہاں عورت بے کسی اور محکومی کی زندگی سے دوچار تھی۔ تہذیبی اور تمدنی ارتقاء نے اس کی حیات پر کوئی خاطر خواہ اثرات نہ ڈالے۔ اس کی سماجی حیثیت پست ہی رہی معروف مذہبی مفکر مولانا مودودی یونان میں عورت کے حقوق کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''اقوام قدیمہ میں جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے وہ اہل یونان ہیں اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق اور معاشرتی برتاؤ ہر اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی یونانی خرافیات میں ایک خیالی عورت یا پانڈورا کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا۔ حضرت حوا کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے اور قانون، معاشرت اور اخلاق ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے قریب قریب ایسا ہی اثر پانڈورا کے توہم کا یونانی ذہن پر بھی ہوا تھا ان کی نگاہ میں عورت ایک

ادنیٰ درجہ کی مخلوق تھی ۔معاشرت کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا تھااورعزت کا مقام مرد کے لئےمخصوص تھا۔‘‘(69)

اہل یونان عورت کے بارے میں جوخرافاتی نظریہ رکھتے تھےاس کے مطابق عورت شر کا سرچشمہ تھی اور مرد کے مقابلے میں پستی اس کا مقام تھا۔مولانا سید جلال الدین النصرعمری اس پرروشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’لیکن بایں همہ ترقی ان کے ھاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا وہ اس کوانسانیت پر بارسمجھتے تھےان کا مقصدان کےنزدیک سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ خادمہ کی طرح گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔‘‘(70)

موصوف یونانی تصورات جو کہ عورتوں کے بارے میں رائج تھے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اہل یونان اپنی معقولیت پسندی کے باوجودعورت کے بارے میں ایسے ایسےتصورات رکھتے تھے جن کوسن کرہنسی آتی ہےلیکن ان سے اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کیا قدر و قیمت تھی ۔ اوروہ اپنے درمیان اس کو کیا حیثیت دیتے تھے۔ان کا قول تھا:

’’آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے ۔لیکن عورت کےشر کا مداوامحال ہے پنڈورانامی ایک عورت کی بابت ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی تمام دنیوی آفات ، مصائب کی جڑ ہے ۔ایک یونانی ادیب کہتا ہے دومواقع پرعورت مرد کے لئے باعث مسرت ہوتی ہے ایک تو شادی کے دن، دوسرے اس کےانتقال کے دن۔‘‘(71)

سماجی زندگی میں مرد کی عورت پر حاکمیت:

یونانی تصورات نے جہاں عورت کو ازلی گنہگار و پست قرار دے کر اس کو سماجی زندگی میں نچلے درجے تک محدود کر دیا۔ وہاں اس کو گھریلو زندگی کے دائرے میں بند کر کے فقط مرد کی تابعداری کا ذریعہ بنا کر رکھ دیا۔ اور مختلف شعبوں میں مردوں کی بالا دستی کو قائم کر دیا گیا۔ مرد چاہے باپ ہو، شوہر ہو، یا بیٹا عورت کو اس کے تسلط اور رحم و کرم میں دے دیا گیا۔ ایک مفکر عبداللہ مرعی مردوں کی بالا دستی کے حوالے سے یونانی سماج کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عورت پر لازم تھا کہ وہ اپنے شوہر کی تابعدار رہے حتیٰ کہ اولاد کی زندگی کے بارے میں مرد جب چاہتا عورت سے اسکی اولاد کی زندگی کے بارے میں مرد جب چاہتا عورت سے اسکی اولاد چھین کر پہاڑوں میں میں چھوڑ آتا جہاں وہ روتی چیختی رہتی اور ماں کے جگر کو چھلنی کرتی رہتی اسی حال میں اس کی موت واقع ہو جاتی مگر ماں کو اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے لب کشائی کر سکے کیونکہ اس کی کوئی حیثیت نہ تھی بلکہ اسے زندگی بہلانے کا ایک کھلونا سمجھا جاتا تھا۔''(72)

موصوف مرد کی حقارت کا شکار یونانی عورت کی حالت زار پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''عورت ان کے ہاں بڑی حقارت آمیز شئے تھی اگر عورت کے اولاد نہ ہوتی تو مرد کو اسے طلاق دینے کا بھرپور اختیار حاصل تھا۔ چاہے مرد میں خود ہی بچے پیدا کرنے کی طاقت نہ ہو بس عورت شوہر کے رحم و کرم پر

تھی شوہر کے لئے اسے طلاق دینا بڑا ہی آسان تھا۔اس کے لئے یہ بھی آسان تھا کہ اپنے گھر سے عورت کو جب چاہے نکال دے ان کے نزدیک عورت کا بانجھ ہونا ہی اس کی طلاق کے لئے کافی سبب تھا۔ان کے ہاں شادی کا مقصد بیٹوں کی پیدائش تھا اگر شوہر شوہر خود بچے پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تو وہاں کا قانون اور رائے عامہ اس بات کی اجازت دیتی تھی کہ شوہر اپنے کسی رشتہ دار سے اس بارے میں مدد لے اور اس کے ذریعے بیوی سے اولاد پیدا ہوتی تھی‘‘(73)

مغربی مفکر ’’لیکی‘‘ نے یونانی عورت کی مردوں کے زیر تسلط غلامی کی زندگی پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

’’بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔اس کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی۔لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں اس کے مقابلے میں مرد اعزہ کا حق ہمیشہ رائج سمجھا جاتا تھا۔‘‘(74)

یونانی تہذیب میں عورت کی حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حافظ ثانی تحریر کرتے ہیں کہ:

’’یونان جو تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا اور جسے مثالی تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔اس تہذیب کے ابتدائی دور میں عورت قانونی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق سے نہیں بلکہ آزادی سے بھی محروم تھی۔اسے ایسے گھروں میں جو راستہ سے دور ہوتے تھے مقید رہنا پڑتا تھا۔ جہاں رکھا جاتا ان

گھروں میں کھڑکیاں کم ہوتی تھیں ۔ اوردروازوں پر پہرے بیٹھے ہوتے تھے۔''(75)

یونانی معاشرے میں مرد کے اختیارات اور حاکمیت کے بارے میں موصوف اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''یونان کی قدیم تہذیب میں باپ خاندان کا مذہبی و قانونی سربراہ ہوتا تھا۔اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کوفروخت کردے۔اسی طرح بھائی کوبھی یہ حق حاصل تھا۔کہ وہ اپنی بہنوں کوفروخت کرسکتا تھا۔یونانی تہذیب میں باپ کےمرنے کے بعد جائیداد کی وارث نرینہ اولاد ہوتی تھی۔عورت کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔''(76)

یونان کا مفکر ارسطوعورت کی آزادی اورخودمختیاری پر بندش لگانے کا نظریہ دیتا ہے۔

''ارسطوقدیم یونانی مفکر اسپارٹا کےلوگوں پراعتراض کرتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ نرمی برتتے ہیں۔ اور انہوں نے ان کو وراثت ،طلاق اور آزادی کے کچھ حقوق دے رکھے ہیں۔ جس کی بدولت انہیں کچھ بلند مقام مل گیا ہےاوروہ اسپارٹا کےزوال کوعورتوں کی بے جا آزادی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔(ملاحظہ ہوالمراۃ فی القرآن،تالیف استادعباس محمودعقاد،ص۳۷،۴۷)۔''(77)

یونانی معاشرہ جہاں عورت سے بے زاری کی کیفیت عام تھی۔گھروں میں قید ایک خادمہ اورکنیز کی حیثیت سے مرد کی خدمت گاری اور تابعداری کا فریضہ انجام

دیتیں اور اس کے عوض تعلیم وراثت اور اظہار رائے کے حق سے یکسر محروم تھیں۔

"انسائیکلو پیڈیا آف برٹینائیکا کے الفاظ میں قدیم یونانی تہذیب میں عورت کا مرتبہ اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچہ پالنے والی لونڈی کی ہوگئی تھی۔ عورتوں کو ان کے گھروں میں قید کر دیا گیا تھا وہ تعلیم سے محروم تھیں۔ ان کے شوہر انہیں گھر کے سامان کی طرح ان کو سمجھتے تھے۔"(78)

افلاطون کے نظریات اور عورت کا مقام:

یونانی معاشرے میں لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا جاتا تھا۔ معروف مصنف سید اصغر علی شاہ جعفری یونانی معاشرے میں عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے حالت زار پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"لڑکیوں کے لئے اول تو تعلیم کا نام تک نہیں تھا اور اگر کسی خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کی تمنا پیدا ہوتی بھی تو ان کے لئے مخصوص مضامین تھے جن کا تعلق محض گھریلو زندگی سے ہوتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ذہنی جلا صرف مردوں ہی کو نصیب ہوتی تھی۔"(79)

درج بالا کیفیت میں افلاطون نے عورتوں کو تعلیم دینے کے حوالے سے نظریہ دیا۔ موصوف لکھتے ہیں:

"لیکن افلاطون نے عورتوں کو گھریلو چار دیواری سے نکال کر دوسرے موضوعات پر بھی تعلیم دینے کی سفارش کی۔"(80)

افلاطون سے پہلے کے دور کے بارے میں موصوف روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اشتمالیت از دواج کا نظریہ افلاطون سے پہلے ہیلنی دور میں پایا جاتا تھا اور اس میں عورت کا مقام کچھ اور ہی تھا یعنی عورت مجموعی طور پر مندرجہ ذیل تین مقاصد کے لئے زندہ رکھی جاتی تھی۔

1۔ تعیش 2۔ تجارت 3۔ حصول اولاد وافزائش نسل

ھیروڈوٹس کے مطابق اگا تھائی سنگ اپنی عورتوں کو مشترک رکھتے اور اس طرح اپنے گھروں میں رکھتے جس طرح دودھ دینے والے جانور، فرق صرف اتنا تھا کہ جانوروں کو بوقت شب اصطبل میں بند کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کو زینت شب بنا کر ایسے کمروں میں رکھا جاتا تھا جہاں شب بسری کے انتظامات ہوتے تھے۔ یہ عورتیں بعض اوقات مختلف مہمات اور شکاروں میں بھی مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں۔ گریک پولیٹیکل تھیوری میں افلاطونی دور سے ماقبل لازمنہ میں تصور عروسی کچھ اور نوعیت کا بیان کیا گیا ہے۔ اس وقت شوہر اور بیوی کی روحانی موافقت کو کوئی وقعت حاصل نہ تھی اور کنبے کی اندرونی معاشرتی زندگی کے وجود کو چنداں اہمیت نہ دی جاتی تھی جس کی وجہ سے عورتوں کو گوشہ نشینی اور گھریلو چار دیواری میں چاکری کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔''(81)

درج بالا صورتحال میں افلاطون نے کیا نقطۂ نظر اختیار کیا اور عورت کو مذکورہ صورتحال سے نکالنے کے لئے کیا نظریات دیئے ان پر اظہار خیال کرتے ہوئے۔ سید اصغر علی جعفری تحریر کرتے ہیں:

''افلاطون اس فلسفے کا قائل نہیں تھا کہ عورتیں اگرچہ افزائش نسل کا ایک ذریعہ ہیں۔ لیکن ان کے وجود سے وہ تمام فوائد حاصل کرنے چاہئیں جو

حاصل ہو سکتے ہیں۔ افزائش نسل میں اس کا وقت اس قدر صرف نہیں ہوتا ،جس قدر گوشہ نشینی یا بیکاری میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے ان ضائع ہونے والے اوقات کو بھی اچھے سود مند کاموں میں استعمال کرنا چاہیئے اور اسے ان تمام امور کی ادائیگی میں آزمانا چاہیئے۔ جن سے وہ عہدہ برآ ہوسکتی ہے۔''(82)

مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

''افلاطون عورت کو بھیڑ بکری کی طرح کسی ایک گلہ میں رکھنے کا قائل نہیں وہ رشتہ ازدواج کے رسمی طور پر منسلک ہونے کی بھی کھلی مخالفت نہیں کرتا ۔وہ سماج کی روایات کو مسخ نہیں کرنا چاہتا لیکن ان میں نمایاں تبدیلیاں کرنا ضروری سمجھتا ہے۔''(83)

شادی کے حوالے سے افلاطون کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''افلاطون مخصوص حلقوں میں شادی کی اجازت دیتا ہے۔ جس حلقہ میں وہ شادی کی اجازت دیتا ہے وہاں مخصوص شرائط بھی عائد کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ شادی کی بنیاد بھی اشتمالیت پر مبنی ہونی چاہیئے یعنی ایک علاقہ میں سال میں ایک بار ایک ایسا جشن منایا جانا چاہیئے جس کا تمام تر اہتمام ریاست کی طرف سے ہو غیر شادی شدہ عورتیں اور مرد اس میں جمع ہوں اور حکومت کے نمائندے قرعہ اندازی کریں اور جو عورت جس مرد کے حصہ میں آئے اس کی کفالت اس مرد کے ذمہ ڈال دی جائے۔ اور اس طرح وہ مرد اپنی اس عورت کی کفالت کا ذمہ دار قرار دے دیا جائے۔

البتہ اس مرد کو حق حاصل ہے کہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں عورت کو بھی اپنی مدد کے لئے شامل کرے۔ بعض اوقات شاید ایک معینہ وقت کے لئے کی جاتی ہے جس کا تعین رسم عروسی کے انعقاد سے پیشتر اعلانیہ کیا جاتا۔"(84)

افلاطون کے درج بالا نظریات پر ایک مصنفہ "نسرین وحید" اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

"کہ افلاطون ہماری تہذیب کا بے حد اہم ادارہ ہے۔ افلاطونی فرد کی زندگی میں خاندان کی اہمیت کو نظر انداز کرتا ہے افلاطون کا یہ نظریہ اشتراکیت انسان کے فطری جذبات اور احساسات کا زندہ جنازہ نکالتا ہے۔"(85)

یونان کی دو بڑی تہذیب یافتہ ریاستیں تاریخ میں اہم کردار رکھتی ہیں۔ جو کہ ایتھینز اور اسپارٹا کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان متمدن ریاستوں میں بھی عورت کو وہ مقام نصیب نہ ہو سکا جو کہ بہ حیثیت انسان کے اس کا حق تھا۔ ایک مغربی مفکر "سیمون دی بووا" ایتھینز میں مرد کی عورت پر حکمرانی کا جائزہ لیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"ایتھینز میں بیوی کو اس کے کمرے میں بند کر دیا جاتا اس پر قانون کی سخت پابندی لگائی جاتی اور خصوصی مجسٹریٹ اس کی نگرانی کرتے وہ زندگی بھر کمتر، زیرنگرانی رہتی چاہے وہ نگران باپ ہوتا یا شوہر۔ شوہر کا وارث یا ان سب کے نہ ہونے کی صورت میں ریاست جسکی نمائندگی عوامی حکام کرتے تھے۔ یہ سب اس کے آقا تھے۔ اور وہ ایک بازاری چیز کی طرح

ان کے رحم وکرم پر تھی۔ سر پرست کے اختیارات اس کی ذات اور جائیداد دونوں تک وسیع تھے۔ سر پرست اپنی مرضی کے تحت حقوق منتقل کر سکتا تھا۔ تاہم یونانی قوانین نے بیوی کو جہیز کی توثیق کرائی۔ جو شادی ختم ہونے کی صورت میں اسے پورے کا پورا واپس مل جاتا۔ اور وہ اسے اپنی مرضی سے استعمال کرتی شاذ و نادر صورتوں میں قانون نے بیوی کو طلاق مانگنے کا حق بھی دیا لیکن یہ محض اسے معاشرے کی جانب سے دی جانے والی ضمانتیں تھیں۔ بلاشبہ ساری جائیداد لڑکوں کو منتقل ہوتیں۔ جہیز صرف سر پرست کی جانب سے ضروری شراکت جیسی تھا۔ تاہم جہیز کی روایت کے طفیل ہی عورت موروثی ملکیت کی طرح شوہر کے ورثاء تک منتقل نہ ہوتی اسے دوبارہ والدین کی سر پرستی میں دے دیا جاتا۔'' (86)

ایتھینز کی کیفیت جاننے کے بعد اب اسپارٹا کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہاں عورتوں کے حوالے سے کس قسم کے قوانین رائج تھے؟

اسپارٹا کی کیفیت قدرے مختلف تھی۔ اس کو'' سیمون دی بوا'' بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

''اسپارٹا میں اشتراکی نظام نافذ العمل تھا۔ اور صرف یونانی شہر میں عورت کو تقریباً مرد کے مساوی خیال کیا جاتا تھا لڑکیوں کی پرورش لڑکوں کی طرح کی جاتی ۔ بیوی اپنے شوہر کے مسکن تک ہی پابند نہیں تھی ۔ درحقیقت اسے صرف وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی غرض سے رات کے وقت شوہر کے پاس جانے کی اجازت تھی بیوی پر شوہر کا حق ملکیت اس قدر کم تھا کہ کوئی بھی مرد اعلیٰ نسلی بنیادوں پر کسی دوسرے کی بیوی کے

ساتھ رفاقت اختیار کرنے کا مطالبہ کرسکتا تھا۔ میراث غائب ہونے پر بدکاری کا تصور ہی معدوم ہوگیا۔ تمام بچے شہر کی مشترکہ ملکیت تھے اور عورتیں ایک ہی مالک کی غلام نہ رہیں۔ یا بالعکس طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نجی دولت اور نہ ہی مخصوص حسب ونسب رکھنے والا کوئی شوہر اب عورت کا مالک رہا تھا۔ عورتیں اسی طرح زچگی کی خدمت گزاری کے مرحلے سے گزرتیں جیسے مرد جنگ کی خدمت گزاری کے مرحلے سے گزرتے تھے۔ لیکن شہری فرض پورا کرنے کے علاوہ ان کی آزادی پر کوئی پابندی نہ تھی۔''(87)

یونان میں جہاں عورت مرد کے رحم وکرم پر تھی۔ وہاں اسے فقط تسکین لذت اور گھریلو زندگی میں مرد کی آسائشوں اور آرام کا خیال رکھنا ہی تھا۔ مذکورہ بالا بحث جس میں اسپارٹا میں عورت کے حوالے سے ایتھینز کے مقابلے میں نسبتاً نرمی کا رویہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ تھی اور اس کو معاشرے میں بچے پیدا کرنے کا اور مردوں کی تسکین کا ذریعہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ بقول عبداللہ بن محفوظ حامی کے:

''یونانی عورت کو اس بات میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں کہ اگر اس کا شوہر کسی اور عورت سے جنسی تعلق رکھے اس لئے شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت سے جنسی تعلق رکھے یا کسی عورت کو دوست بنا کر بیوی کی طرح اپنے گھر میں رکھ کر ازدواجی تعلقات اس سے بھی قائم رکھے--- یونانی مفکر ڈاکٹر ڈستین نے لکھا ہے کہ: ہم لذت کے لئے عورت کو رکھتے ہیں اور جسمانی صحت کے لئے دوست بناتے ہیں۔ اور بیویاں اس لئے ہیں کہ وہ ہمارے لئے قانونی اولاد جنیں۔ اور

ہمارے گھر کے کام کاج امانت واخلاص کے ساتھ انجام دیں۔''(88)

وراثت سے محرومی :

یونانی سماج میں جہاں عورت مرد کی دست نگر خانگی نظام میں تھی اس کے ساتھ ساتھ عام زندگی کے اندر بھی وہ آزادی اور مختیاری سے کوئی کام جس کا تعلق لین دین، خرید وفروخت سے ہوانجام دینے کی اہل تصور نہیں کیا جاتا تھا۔اوراسی طرح وراثت میں بھی اس کو کسی قسم کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔عبداللہ بن محفوظ حامی لکھتے ہیں کہ:

''یونان میں عورت کو اختیار نہ تھا کہ وہ خود کوئی معاملہ عقد (بیع وشراء) وغیرہ کر سکے یا کسی کو خاص مقدار سے زیادہ قرض دے سکے۔ یا اپنا کوئی معاملہ حاکم کے پاس لے جائے انہوں نے ایک قانون بنایا ہوا تھا کہ جو عمل کسی عورت کے زیر اثر انجام پایا ہو وہ عمل قانوناً باطل تصور کیا جاتا تھا اسی طرح عورت مرد سے کسی طرح میراث نہیں پاسکتی تھی۔''(89)

خواتین کی وراثت کے حوالے سے حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف مزید تحریر کرتے ہیں:

''لڑکیوں کے اولیاء کے اختیارات کی کوئی حد نہ تھی ولی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرا دے اس طرح ہر وہ معاملہ جو ولی کی رضا مندی کے بغیر ہوا ہو وہ لغوشمار ہوتا تھا۔ باپ کے اختیارات اس سے بھی زیادہ تھے اسے اختیار تھا کہ وہ وصیت میں اپنی بیٹی کا سسرال متعین کر دے اور پھر لڑکی کو وہیں شادی کرنی ہوتی باپ کے مرجانے پر اسے وراثت سے تعلق تو ہوتا لیکن حقیقی وارث وہ نہ ہوتی بلکہ

اسے اپنے باپ کے قریبی اور سب سے بڑے وارث سے شادی کرنی پڑتی اس کی اولاد اس کے دادا کی اولاد کہلاتی (یعنی نسب لڑکی کے دادا سے جوڑا جاتا) اور اس کو وراثت منتقل کر دی جاتی اس لڑکی کو نہیں ملتی تھی۔''(90)

یونانی تہذیب میں دیگر تہذیبوں کی طرح ارتقائی مراحل طے کرتی گئی اور پہلے مرحلے کی نسبت عورت کو کسی درجے کچھ حقوق حاصل ہوئے۔اور اسے معاشرے میں کچھ بہتر حیثیت دی جانے لگی مگر تہذیب کا یہ ارتقاء عورت کو گھر کی زندگی میں تقدس تک ہی محدود کر سکا۔ یونانی معاشرے کی اس نسبتاً بدلی ہوئی تصویر پر روشنی ڈالتے ہوئے معروف مفکر مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں کہ:

''تمدنی ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں یہ طرزِ عمل تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ برقرار رہا۔تہذیب اور علم کی روشنی کا صرف اتنا اثر ہوا کہ عورت کا قانونی مرتبہ جوں کا توں رہا۔ البتہ معاشرت میں اس کو نسبتاً ایک بلند تر حیثیت دے دی گئی۔ وہ یونانی گھر کی ملکہ تھی، اس کے فرائض کا دائرہ گھر تک محدود تھا اور ان حدود میں وہ پوری طرح بااقتدار تھی۔اس کی عصمت قیمتی چیز تھی، جس کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔شریف یونانیوں کے ہاں پردے کا رواج تھا ان کے گھر میں زنان خانے مردان خانوں سے الگ ہوتے تھے۔ان کی عورتیں مخلوط محفلوں میں شریک نہ ہوتی تھیں نہ منظر عام پر نمایاں کی جاتی تھیں۔ نکاح کے ذریعے کسی ایک مرد سے وابستہ ہونا عورت کے لئے شرافت کا مرتبہ تھا اور اس کی عزت تھی اور بیسوا بن کر رہنا اس کے لئے ذلت کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کا

> حال تھا جب یونانی قوم خوب طاقتور تھی اور پورے زور کے ساتھ عروج و ترقی کی طرف جارہی تھی۔اس دور میں اخلاقی خرابیاں ضرور موجود تھیں ایک حد کے اندر تھیں۔ یونان عورتوں سے اخلاق کی جس پاکیزگی اور طہارت وعصمت کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔اس سے مرد مستثنیٰ تھے۔ان سے نہ اس کا مطالبہ تھا اور نہ اخلاقاً کسی مرد سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ پاک زندگی بسر کرے گا۔ بیسوا طبقہ یونانی معاشرت کا ایک غیر منفک جزو تھا اوراس طبقہ سے تعلق رکھنا مردوں کے لئے کسی طرح معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔''(91)

مولانا موصوف نے یونانی معاشرے کے ارتقائی سفر پر جو روشنی ڈالی ہے۔اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ عورت کے بارے میں مرد کے وہ تصورات جو دور زوال میں تھے کہ عورت فقط اس کے لئے ہے، اس کی حیات کا وہ مالک ہے۔ اورعورت نے صرف اس کی تابعداری اور خدمت اوراس کی نام نہاد غیرت کو محفوظ رکھنا ہے۔دور عروج میں یونانی قوم جب طاقتور تھی۔تہذیب ارتقاء کی طرف گامزن تھی مگر مرد کی سوچ عورت کے بارے میں تبدیل نہ ہوسکی۔

وقتی تقاضوں کی بدولت ظاہری ڈھانچوں میں تبدیلیاں تو ہوئیں مگر عورت کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے گھر کی زینت بنا کر رکھنے کی روش میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بلکہ اس سے تقدس وطہارت و پاکیزگی کے جو مطالبے رکھے گئے گویا وہ ایک طرح سے مرد ہی کی تسکین کا سامان تھے۔اور بلاشرکت غیرے عورت کو اپنی ذاتی ملکیت میں رکھنے کا ایک نیا انداز تھا۔حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ یونانی مرد عورت سے طہارت و تقدس اور ایک مرد تک محدود رہنے کا مطالبہ کرتا ہے۔مگر دوسری طرف خود بے لگام ہے

وہ معاشرے کی دوسری عورتوں کے ساتھ جائز ناجائز طریقے سے اپنی حظ نفس کی تکمیل کرتا نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو یونانی مردوں نے عورت جو کہ ان کی خواہش کے مطابق ہے اسے گھر تک محدود رکھتے اور دوسری طرف معاشرے کی عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کی آماجگاہ بھی بنائے رکھتے۔

رفتہ رفتہ یونانی معاشرے کی یہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ مرد نے اپنی عیاشیانہ ذھنیت کے برملا اظہار کر کے عورت کو آرٹ، فن وتمدن کے نام شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنا دیا۔ مردوں نے چاہے ان کا تعلق مذہبی طبقہ سے تھا یا نہیں نے زنا کو معاشرے میں اس طرح فروغ دیا کہ پورا معاشرہ اخلاقی تنزل میں ڈوب گیا۔ مولانا مودودی یونانی معاشرے کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''رفتہ رفتہ اہل یونان پر نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ شروع ہوا اور اس دور میں بیسوا طبقہ کو وہ عروج نصیب ہوا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رنڈی کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا۔ فلاسفہ، شعرا، مؤرخین، اہل ادب، اور ماہرین فنون، غرض تمام سیارے اسی آفتاب کے گرد گھومتے تھے۔''(92)

شہوت پرستی کو اخلاقی اقدار کے مطابق سمجھا جانے لگا۔ اور معاشرے میں مرد اور عورت کا کھلا اختلاط فخر کی علامت سمجھا جانے لگا تھا۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''یونانیوں کے ذوق جمال اور حسن پرستی نے ان کے اندر شہوانیت کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا وہ اپنے اس ذوق کا اظہار جن مجسموں (یا آرٹ کے عریاں نمونوں) میں کرتے تھے۔ وہی ان کی شہوانیت کو اور

زیادہ ہوا دیتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ذہن سے یہ تصور محو ہو گیا کہ شہوت پرستی بھی کوئی اخلاقی عیب ہے ان کا معیار اخلاق اتنا بدل گیا تھا کہ بڑے بڑے فلاسفرز اور معلمین اخلاق بھی زنا اور فحش میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابل علامت نہ پاتے تھے اور نکاح کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل معقول سمجھا جاتا تھا۔ جس کو کسی سے چھپانے کی ضرورت نہ تھی۔''(93)

یونان میں مرد کی شہوت پرستی کو معاشرے میں فروغ دین اور اس کو تحفظ دینے کے لئے مذہب کا استعمال کیا گیا مولانا موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس پہ لکھتے ہیں کہ:

''آخر کار ان کے مذہب نے بھی ان کی حیوانی خواہشات کے آگے سپر ڈال دی ''کام دیوی'' کی پرستش تمام یونان جس کی داستان ان کے خرافیات میں یہ تھی کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے ہوئے اس نے تین مزید دیوتاؤں سے آشنائی کر رکھی تھی اور ان کے ماسواء ایک فانی انسان کو بھی اس کی جناب میں سرفرازی کا فخر حاصل تھا اسی کے بطن سے محبت کا دیوتا کیوپڈ پیدا ہوا۔ جوان دیوی صاحبہ اور ان کے غیر قانونی دوست کی باہمی لگاوٹ کا نتیجہ تھا یہ اس قوم کی معبودہ تھی اور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو قوم ایسے کریکٹر کو نہ صرف مثال (آئیڈیل) بلکہ معبودیت تک کا درجہ دے دے اس کے معیار اخلاق کی پستی کا کیا عالم ہوگا۔''(94)

یونان میں عورت کی فحاشی اور عریانی کے لئے استعمال کرنے کے لئے باقاعدہ معبدوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ مذہبی طبقہ نہ صرف خود فحاشی میں غرق تھا بلکہ وہ مزید

عورتوں کو استعمال کر کے مال جمع کرتے تھے۔اس کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مغربی مفکر ''سیمون دی بوا'' تحریر کرتی ہیں کہ:

''یونان میں فاحشائیں بھی موجود تھیں قدیم لوگ مہمان نوازی کی جسم فروشی پر عمل کرتے تھے۔آتے جاتے مہمان کو عورت کی فراہمی جس کا بلا شبہ ایک باطنی جواز تھا۔اور مقدس عصمت فروشی پر بھی اس کا مقصد عام بھلائی کے لئے حمل کی خفیہ قوتیں حاصل کرنا تھا۔یونان میں بالخصوص ساحل سمندر کے ساتھ، جزیروں اور سیاحوں سے بھرے ہوئے شہروں میں ایسے معبد موجود تھے جہاں پندار کے الفاظ میں مسافروں کے مہمان نواز نوجوان لڑکیاں مل جاتی تھیں۔ان کی کمائی ہوئی رقم مذہبی اداروں کے پاس چلی جاتی۔یعنی پروھتوں کے پاس اور بالواسطہ طور پر ان کی گزر بسر کے لئے۔درحقیقت کورنتھ میں ہر کہیں جہاز رانوں اور مسافروں کی جنسی ضروریات کا پرفریب استحصال کیا جاتا تھا۔اور عصمت فروشی ،منفعت بخش صورت بنا چکی تھی۔اس کاروبار کو روایت کا درجہ سولون نے دیا۔اس نے ایشائی کنیزیں خریدیں اور انہیں ایتھینز میں واقع حسن و عشق کی دیوی وینس کے معبد کے قریب بنے قحبہ خانوں میں بند کر دیا۔ یہ جگہ بندرگاہ کے پاس تھی۔انتظام و انصرام پورنوٹروپوئی کے ہاتھوں میں تھا جو ادارے کی مالی تنظیم کے ذمہ دار تھے۔ہر لڑکی کو اجرت ملتی تھی۔اور خالص منافع ریاست کے پاس چلا جاتا بعد میں نجی ادارے کھولے گئے جن کا ایک نشان پر پاپس (لنگ) ہوتا تھا۔اس سے بہت پہلے کنیزوں کے علاوہ کمتر حیثیت کی یونانی عورتوں کو منظّم انداز سے قحبہ خانوں میں فحاشی کے لئے استعمال کر کے مال کمایا جاتا تھا اور دوسری طرف وہ خواتین

جو اس جنسی استحصال کا شکار ہوتیں ان کا معاشرے میں کوئی پرسان حال نہ تھا۔ سماجی زندگی میں انہیں اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ بوڑھی ہونے کے بعد تو زندگی ان کے لئے عذاب ہو جاتی ہے۔ وہ ساری زندگی بدنامی کے تیر برداشت کرتیں ہیں اس سے مرد کی اس مفاد پرستانہ ذھنیت کی عکاسی ہوتی ہے کہ ایک طرف عورت کو اپنے عیاشیانہ طرز عمل کا نشانہ بنا کر اس سے تسکین حاصل کرنا اور دوسری طرف معاشرے میں اس کو ذلیل کرتے رکھنا''۔

موصوفہ ''سیمون دی بوا'' اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

''جسم فروش عورتیں بدنام تھیں ان کے معاشرتی حقوق نہ تھے۔ ان کے بچے اگر سہارا بنتے تو انہیں لعن طعن کی جاتی۔ انہیں رنگ برنگے خصوصی لباس پہننا پڑتا جس پر پھول سجے ہوتے اور اپنے بال زعفران سے رنگنا پڑتے تھے۔''(95)

مذکورہ بیان سے یہ واضح ہوا کہ عورتیں جہاں تمام معاشرتی حقوق سے محروم تھیں ان عورتوں کے لئے الگ لباس تجویز کیا گیا تا کہ معاشرے میں کبھی شیر وشکر نہ ہو سکیں۔

تعلیم سے محرومی:

یونانی معاشرہ اگر چہ کہ متمدن کہلاتا تھا مگر یونانی تمدن عورت کو علم کی روشنی سے محروم رکھے ہوئے تھا۔ تعلیم فقط مردوں کا حق سمجھی جاتی تھی۔ لہٰذا عورت کو تعلیم کی آگہی سے محروم رکھ کر غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پھینک دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے جہاں شعور کی دولت عام ہوتی ہے علم کی روشنی سے ذہن منور ہوتے ہیں، وہاں آزادی اور حریت کے دیپ جلتے ہیں۔ وہاں جبر و استبداد کے بت ٹوٹتے نظر آتے ہیں۔ علم و

شعور کمزور اور ناتواں جسم میں جان ڈال دیتے ہیں ۔ یونان میں عورت کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا۔عبداللہ بن مرعی حامی لکھتے ہیں کہ:

''باوجود اس کے کہ یونان ایک تہذیب یافتہ معاشرہ تھا لیکن وہاں کی عورت تعلیم سے محروم تھی ۔''اشینا'' میں اس کے لئے درس گاہیں موجود نہ تھیں اور امیروں کی بیٹیاں پڑھنا لکھنا سیکھنے پر اختصار کرتی تھیں ۔غریب اور متوسط گھرانوں کی لڑکیاں اپنی جاہل ماؤں سے محض چند مذہبی باتیں معلوم کر لیا کرتی تھیں اور یہ بھی اس دوران جب وہ اپنے گھر کی خدمت میں ان کا ہاتھ بٹا رہی ہوتیں۔''(96)

خلاصہ کلام

گذشتہ صفحات میں یونانی معاشرہ میں خواتین کے مقام، حیثیت، حقوق وغیرہ کے حوالے سے مختلف پہلوؤں سے تجزیہ کیا گیا۔اور یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یونانی تہذیب وتمدن نے اگرچہ کہ دنیائے انسانیت کے تاریخی ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر یونانی معاشرے میں عورت محکومی، محرومی کی زندگی سے ہی دوچار رہی ۔ یونانی تہذیب عورت کو کوئی خاص مقام نہ دلا سکی۔

یونان میں عورت کی حیثیت نیم غلاموں کی طرح تھی ۔عورت کی آزادی اظہار رائے پر پابندی تھی، عورتوں کی آزادانہ تعلیم پر پابندی تھی ۔ گویا یونانی معاشرہ عورت بے زار معاشرہ کہلانے کے لائق تھا ۔ جہاں عورت طرح طرح کی پابندیوں سے دوچار کی گئی تھی ۔ان کڑی پابندیوں میں ایک قیدی کی حیثیت سے اسکی زندگی جمود کا شکار ہو چکی تھی، مرد کی حاکمیت وتسلط نے اس کو ایک گھریلو مصرف کے شئے بنا کر رکھ دیا۔مرد ایک طرف تو اس کو گھر میں مقدس، اور مطہر بنا کر فقط اپنی ذاتی ملکیت میں رکھنا

چاہتا تھا اور دوسری طرف معاشرہ میں اس کو فحاشی اور عریانی کے لئے بھی بے دھڑک استعمال کرتا تھا۔یعنی مرد کی خواہشات ہی عورت کی تقدیر کا تعین کرتی تھیں۔

ایک طرف مرد اس کو اپنی تسکین کا ذریعہ بناتا اور دوسری پہلو میں اس کو مال کمانے کے لئے بھی فن و آرٹ کے نام پر استعمال کرتا تھا۔ عورت کے اپنے احساسات، جذبات اور عزت نفس کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ اگر تھی تو فقط مرد کی رائے اور حکم کی، عورت ایک کھلونے کی طرح مردوں کے ہاتھوں ان کے حظ نفس کا سامان کرنے پر مجبور تھی۔لب لباب یہ ہے کہ یونانی معاشرے میں خواتین:

☆ مردوں کے زیر تسلط ہر طرح کے جبر کا شکار تھیں۔

☆ وراثت میں ان کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔

☆ تعلیم سے محرومی تھیں۔

☆ سیاسی اداروں یا دیگر شعبہ ہائے زندگی میں شمولیت نہیں کرسکتی تھیں۔

☆ گھریلو ملازمہ یا خادمہ کی حیثیت میں زندگی گزارتی تھیں۔

☆ فحاشی و عریانی کے لئے منظّم استعمال ہوتی تھیں۔

☆ آزادی اظہار رائے سے محروم تھیں۔

۵۔رومی تہذیب و تمدن میں خواتین کا مقام اور حیثیت:

یونانی قوم کے بعد اگر کسی قوم و تہذیب کو عروج نصیب ہوا وہ رومی تھے۔

''رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں تو ان کے نظام معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا

سردار ہے۔اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورے حقوق مالکانہ حاصل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا مجاز ہے۔''(97)

روم میں بھی دیگر اقوام کی طرح مردوں نے اپنی بالا دستی کو قائم رکھا،اور خاندان کا سربراہ بن کر بیوی کو اپنی ذاتی ملکیت کا درجہ دے دیا۔عورت مردوں کی حاکمیت میں بے بسی اور بے کسی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ڈاکٹر محمد حافظ ثانی قدیم رومیوں کے معاشرے کی تصویر کشی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

''قدیم رومیوں کا عورتوں کے ساتھ طرز عمل قدیم ہندوؤں جیسا تھا۔جس کے تحت وہ باپ ،شوہر اور بیٹوں کے ماتحت ہوتی تھیں ۔اپنے تہذیبی عروج کے دور میں ان کا خیال تھا کہ نہ عورت کی بیڑی کاٹی جاسکتی ہے نہ اس کی گردن سے جوا اتارا جا سکتا ہے ۔رومیوں کا عورت کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ جب عورت نے نکاح کرنے کے بعد شوہر کو اختیار دے دیا، اور اس کے خاندان میں داخل ہوگئی تو پھر اسے عمر بھر شوہر سے علیحدگی اور طلاق حاصل کرنا ناممکن تھا۔''(98)

روم میں باقاعدہ قوانین کے اجراء کے ذریعے خواتین کے درجے کو پست رکھا گیا۔اور شوہر کو بے شمار اختیارات دے کر بیوی کو اس کی مکمل حاکمیت میں دے دیا گیا۔ایک یورپی مفکر ''لیکی'' اپنی کتاب تاریخ اخلاق یورپ میں تحریر کرتا ہے کہ:

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر، اسے اپنی بیوی ، بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔جہیز یا دلہن

کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی ۔اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔ 520 سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا۔''(99)

روم میں عورتوں کا درجہ غلاموں کے برابر تھا غلاموں کی طرح ان کی بھی ذمہ داری مردوں کی خدمت تابعداری اور فرمانبرداری تھا۔ مردوں کے ساتھ برابری کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ سماجی طور پر اس کی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی تھی ۔ قانونی طور پر اس کے تمام حقوق معطل تھے۔ رومی معاشرے میں عورت کی اس حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں کہ:

''غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ البتہ اس کی طبعی کمزوریوں کی بناء پر اس کو بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔''(100)

موصوف مزید تحریر کرتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق بھی دیئے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا۔''(101)

رومی تہذیبی ارتقاء جاری رہا لیکن عورت کی تقدیر کا بیڑا پھر بھی کسی کنارے نہ لگا۔ وہ زندگی کے اس بھنور میں ذلت اور پستی سے ہمکنار رہا۔ جب روم میں جمہوریت کا دور دورا ہوا تو کچھ حقوق کے حوالے سے اعتدال کی کیفیت پیدا ہوئی مگر پرانا فرسودہ قبائلی طرز کا نظام جو کہ مردوں کی آسائشوں کا علمبردار تھا قائم رکھا گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب وحشت کم ہوئی اور تمدن وتہذیب میں رومیوں کا قدم آگے بڑھا تو اگرچہ قدیم خاندانی نظام بدستور قائم رکھا رہا۔ مگر عملاً اس کی سختیوں میں کچھ کمی واقع ہوئی اور ایک حد تک اعتدالی حالت پیدا ہو گئی ۔ رومی جمہوریت میں زمانہ عروج میں یونان کی طرح پردے کا رواج تو نہ تھا۔ مگر عورت اور جوان نسل کو خاندانی نظام میں کَس کر رکھا تھا۔ عصمت وعفت، خصوصاً عورت کے معاملہ میں ایک قیمتی چیز تھی اور اس کو معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔''(102)

روم میں خاندانی نظام اور ریاست کے درمیان مختلف قسم کے تضادات نے عورت کی حیثیت کا تعین کیا۔ یونانی عورت کی نسبت رومی عورت قانونی لحاظ سے زیادہ پابندیوں کا شکار تھی ۔ اس کی زندگی عملی طور پر معاشرتی امور میں زیادہ ملوث تھی ۔ دور ملوکیت میں رومی معاشرہ میں مادری نظام رائج تھا۔ سلطان تارکوبن کی وفات کے بعد معاشرے میں پدری حکومت قائم ہوئی ۔ پدری نظام کے زیر اثر خاندان معاشرے کی اکائی بن گیا۔ زرعی جائیدادوں کی وجہ سے نجی ملکیت سامنے آئی عورت کا تعلق وراثت کے نظام سے گہرا ہو گیا روم میں پدری نظام قائم ہوا تو اس نے عورت کو پستی اور ذلت سے ہم کنار کرنا شروع کر دیا پدری نظام کے زیر اثر عورتوں کی کیفیت پر روشنی ڈالتے

ہوئے یورپی مفکر ''سیمون دی بوا'' تحریر کرتی ہیں کہ:

''زرعی جائیداد، نجی ملکیت اور نتیجتاً خاندان معاشرے کی اکائی بن گیا عورت میراث کے ساتھ قریبی طور پر بندھی ہوئی تھی اور چنانچہ خاندانی گروہ سے بھی قوانین نے اس کو یونانی عورت والے تحفظ سے بھی محروم کر دیا وہ قانونی نااہلی اور خدمت گزاری کی زندگی گزارتی تھی۔ بلاشبہ وہ امور عامہ سے خارج تھی تمام ''مردانہ'' امور اس کے لئے سختی سے منع تھے۔ اور اپنی شہری زندگی میں مستقل کم تر تھی، اسے پدری تر کے سے بالواسطہ طور پر یوں محروم کیا گیا کہ وہ اس پر اپنا تمام اختیار و رسوخ کھو بیٹھی۔ اسے سرپرست کی حاکمیت میں دے دیا گیا---مقنن گیٹس کہتا ہے: ''سرپرستی قائم کرنا خود سرپرستوں کے مفاد میں تھا۔ تا کہ عورت (جس کے قیاساً وارث تھے) ترکہ کسی اور کے نام کر کے ان کا حق نہ مارے اور نہ ہی اخراجات اور قرضوں کے ذریعے اسے گھٹائے''[103]

خانگی زندگی میں عورت کو رومی معاشرے میں کیا حقوق حاصل تھے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوفہ مزید لکھتی ہیں کہ:

''عورت کا پہلا متبنی یا سرپرست اس کا باپ تھا باپ کی غیر موجودگی میں فرض مرد رشتہ دار ادا کرتے عورت اپنی شادی ہونے پر مرد کے حوالے ہو جاتی شادی تین قسم کی تھی (coneratio) جس میں جوڑا جو پیٹر کے معبد میں مذہبی طبقہ کی موجودگی میں گندم کا ایک کیک نذر کرتے۔ (coemtio) ایک ظاہری فروخت جس میں باپ اپنی بیٹی کو شوہر کے ساتھ بندھن میں باندھتا اور۔ (usus) جو سال بھر کی صحبت داری کا

نتیجہ تھی ۔ یہ سب ''manu'' کے ساتھ تھیں ۔ مطلب یہ کہ شوہر باپ اور دوسرے ولی کی جگہ لے لیتے اس کی بیوی اپنی ہی بیٹیوں جیسی بن جاتی اور اسے اس کی ہستی اور جائیداد پر مکمل اختیار حاصل ہو جاتا تھا ۔ لیکن رومی عورت کا تعلق بیک وقت باپ اور شوہر دونوں کے خاندان سے تھا ۔''(104)

رومی عورت یونانی عورت کے مقابلے میں اگر چہ کہ قانونی پابندیوں کا شکار زیادہ تھی مگر عملاً وہ معاشرتی زندگی میں اہم کردار رکھتی تھی ۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوفہ رقم طراز ہیں:

'' قانونی لحاظ سے یونانی عورت کی نسبت زیادہ پابند رومی عورت عملاً معاشرے کے ساتھ عمیق طور پر متحد تھی ۔ گھر میں حرم کے اندر چھپنے کی بجائے اپنے صحن میں بیٹھتی تھی وہ غلاموں کے کام کی نگرانی کرتی تھی بچوں کی تعلیم میں رہنمائی کرتی اور عموماً کافی بڑے ہو جانے پر بھی ان کو اپنے زیر اثر رکھتی تھی ۔ اسے جائیداد میں شریک مالک کیا جاتا تھا گھر میں منتظمہ ڈومینا ''domina'' کہلاتی تھی وہ گھر کی مالکن اور مذہب میں حلیف تھی مرد کی غلام نہیں بلکہ ساتھی تھی ۔ عورت کو مرد کے ساتھ باندھنے والا بندھن اس قدر مقدس تھا کہ پانچ سو سال میں ایک طلاق بھی نہ ہوئی ۔ عورتیں صرف اپنے مساکین تک ہی محبوس نہ تھیں ۔ وہ ضیافتوں اور تقریبات میں موجود ہوتیں اور تھیٹر میں جاتیں ، گلیوں بازاروں میں مرد ان کو راستہ دیتے ۔ قونصل اور چوبدار ان کے گزرنے کی جگہ بناتے ۔''(105)

رومی تہذیبی ارتقاء نے کسی حد تک رومی مردوں کے نظریات پر عورت کے حقوق کے حوالے سے اثرات بھی مرتب کئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایسے ایسے قوانین بننا شروع ہو گئے جن کے تحت عورت کو کسی حد تک قوانین کا تحفظ ملا۔ مولانا مودودی رومی معاشرے کے ارتقاء اور عورت کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

> ''تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل روم کا نظریہ عورت کے بارے میں بدلتا چلا گیا۔ اور رفتہ رفتہ نکاح وطلاق کے قوانین اور خاندانی نظام کی ترکیب میں اتنا تغیر رونما ہوا کہ صورت حال سابق حالات کے بالکل برعکس ہوگئی۔ نکاح ایک قانونی معاہدہ civil contract بن کر رہ گیا۔ جس کا قیام اور تضاد فریقین کی رضا مندی پر منحصر تھا۔ ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا عورت کو وراثت، ملکیت اور مال کے پورے حقوق دے دیئے گئے۔ اور قانون نے اس کو باپ اور شوہر کے تسلط سے بالکل آزاد کر دیا۔ رومی عورتیں معاشی حیثیت سے نہ صرف خودمختار ہو گئیں بلکہ قومی دولت کا ایک بڑا حصہ بتدریج ان کے حیطہء اختیار میں چلا گیا۔''(106)

روم میں عورت کے حقوق کے حوالے سے آزادی اور خودمختاری کا عمل شروع ہوا رومی ریاست کا ارتقاء کا عمل جاری رہا نئے قوانین بننا شروع ہوئے عدالتی قوانین وجود میں آئے عورتوں کے انفرادی معاملات اب عدالتوں کے سپرد ہونے لگے۔ اب وہ فیصلہ جات جو گھروں میں ہوتے تھے اب عدالتی اداروں میں ہونے لگے یہ اہم موڑ تھا۔ جہاں عورت کی حیثیت اور حقوق کو کسی قدر تحفظ حاصل ہوا۔ گھریلو عدالتیں اپنی حیثیت کھو چکی تھیں۔ ان کی جگہ عوامی عدالتیں اپنے فیصلے سناتیں۔ طلاق، بدکاری

وغیرہ کے فیصلے ریاستی عدالتیں کرتیں اور گذشتہ مردوں کی سرپرستی کی کیفیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔اس کیفیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے سیمون دی بوا لکھتی ہیں کہ:

''عورت نے خود انحصاری کی ایک مثبت ضمانت حاصل کر لی باپ کے لئے اسے جہیز دینا ضروری تھا۔ وہ شادی معطل ہو جانے کے بعد اپنے مرد رشتہ داروں کے پاس نہ جاتی اور نہ اپنے شوہر کے پاس رہتی۔ بیوی کسی بھی وقت فوری طلاق کے ذریعے معاوضے کا مطالبہ کر سکتی تھی۔جس کے باعث مرد اس کے رحم و کرم پر ہو گیا۔''(107)

''اری پبلک کے خاتمہ کے بعد سے ماں بھی اپنے بچوں سے باپ جتنی عزت کروانے کی مجاز تھی۔''(108)

''مارکس آپلس کے دور میں رومی خاندان کا ارتقاء مکمل ہوا۔178ء کے بعد سے بچے اپنے مرد رشتہ داروں پر فتح پا کر ماں کے وارث بن گئے۔ خاندان کی بنیاد sanguinis congunction پر ہو گئی اور ماں کا درجہ باپ کے مساوی ہو گیا۔بیٹی بھی اپنے بھائیوں کی طرح جائیداد منتقل کرتی۔''(109)

اس میں کوئی شک نہیں کہ روم میں عورت کسمپرسی کی زندگی سے دو چار رہی مردوں نے ہر آن ان پر اپنی حکمرانی قائم رکھی۔لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عورتوں نے رومن تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ان تاریخی حقائق کو بے نقاب کرتے ہوئے موصوفہ لکھتی ہیں کہ:

''لوکریٹیا اور ورجینیا جیسی sabine عورتوں کی کہانیوں کے مطابق

عورت نے تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا کور پالانس نے اپنی ماں اور بیوی کی التجاء پر ہتھیار پھینکے۔ لوسی نیس کا رومی جمہوریت کی فتح کی منظوری دینے والا قانون اس کی بیوی کا سوچا ہوا تھا۔ ریاست کارگراچی garachi کے جوہر کو اس کی ماں کورنیلپا نے سانچے میں ڈھالا۔ کاٹو نے کہا تھا ''ہر جگہ مرد عورتوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اور مردوں پر حکومت کرنے والے ہم عورت کے ماتحت ہیں۔''(110)

رومی معاشرے میں جب عورت سماجی امور اور دیگر معاشرتی معاملات میں دخیل ہوئی۔ اور معاشی خود انحصاری کی طرف اس نے قدم بڑھائے طلاق کے حوالے سے اس کو آسانی میسر آئی۔ ان کی آزادیوں کے بعد رومی معاشرے کی کیفیت کیا تھی۔ مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں کہ:

''رومی عورتیں معاشی حیثیت سے نہ صرف خود مختار ہوگئیں بلکہ قومی دولت کا ایک بڑا حصہ بتدریج ان کے حیطہء اختیار میں چلا گیا۔ وہ اپنے شوہروں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتیں اور مالدار عورتوں کے شوہر عملاً ان کے غلام بن کر رہ جاتے طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ بات بات پر رشتہ ازدواج توڑا جانے لگا''۔

مشہور فلسفی اور مدبر سنیکا (4 ق م تا 65) سختی کے ساتھ رومیوں کی کثرت طلاق پر ماتم کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ:

''اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قائل چیز نہیں رہی عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگاتیں ہیں'' اس دور میں عورت یکے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی جاتی تھی مارشل (43 تا 104ء) ایک

عورت کا ذکر کرتا ہے جو دس خاوند کر چکی تھی۔ جو دنیل (60ء تا 130ء) ایک عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے پانچ سال میں آٹھ شوہر بدلے۔ سینٹ جروم (340 تا 420ء) ان سب سے زیادہ ایک باکمال عورت کا حال لکھتا ہے جس نے آخری بار تیسواں شوہر کیا تھا اور وہ اپنے شوہر کی اکیسویں بیوی تھی۔"(111)

رومی معاشرے میں جب اخلاقی گراوٹیں عروج پر پہنچیں تو رومی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا۔ عورتوں کو فحاشی، عریانی کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا گیا۔ رومی معاشرے کی نقشہ کشی کرتے ہوئے موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

"اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت، عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی و عریانی کے مظاہرے ہونے لگے۔ ننگی اور انتہائی فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کیلئے ضروری ہو گئیں قحبہ گری کے کاروبار کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ قیصر ٹامبئرئس (14 تا 37ء) کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لئے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔ فلورا flora نامی ایک کھیل رومیوں میں بہت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کے برسر عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف بیان کئے جاتے تھے۔ اور عوام و خواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ و کفایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔ یہی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہو

جانے کے بعد روم کا قصر عظمت ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اسکی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔''(112)

درج بالا بیان سے اگرچہ کہ رومی معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ اخلاقی گراوٹوں میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن مولانا نے صرف تصویر کے ایک رخ پر تنقید کی ہے۔ شاید مولانا کے ذہن میں یہ بات ہے کہ جب خواتین کو معاشرے میں معاشی خود انحصاری اور خود مختاری دے دی جائی گی تو اس کا انجام رومی معاشرے جیسا ہوگا۔ اور عورت کو طلاق کی ان سختیوں میں جکڑنے سے شاید معاشرتی زوال کی یہ کیفیتیں پیدا نہ ہوں۔ حالانکہ رومی زوال میں عورتوں سے زیادہ ان مردوں کا کردار ہے جنہوں نے عورتوں کو قحبہ گری، فحاشی وعریانی کے لئے استعمال کیا۔ عورت کی آزادی اور خود مختاری سے فحاشی پیدا نہیں ہوتی بلکہ یہ مردوں کی ہوس رانی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ گواہ ہے کہ مذہبی طبقہ بھی کبھی پیچھے نہیں رہا اور وہ تقدس اور سعادت کے نام پر اسی فحاشی کو جائز قرار دیتا رہا ہے۔

خلاصہ کلام:

یونانی تہذیب وتمدن کے بعد رومی تہذیب کو عروج حاصل ہوا۔ پدری نظام رائج تھا۔ اس میں خواتین مردوں کے اس تاریخی استحصال کا شکار تھیں جیسے کئی اور تہذیبوں میں شکار تھیں۔ رومی معاشرے کے دو ادوار سامنے آئے، ایک قدیم رومی معاشرہ تھا جس میں عورت مرد کی غلامی میں تمام سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق سے محرومی کی زندگی گزار رہی تھی۔ عورت کا وجود مرد کی تسکین طبع اور اس کی آسائشوں کی تکمیل تھا۔ عورت کو گھر کے اندر محبوس رکھ کر اس سے فرمانبرداری اور تابعداری کا تقاضہ ہوتا تھا۔ گویا اس قدیم رومی قبائلی نظام میں عورت خانگی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، محرومی اور بے کسی کی

تصویر بنی ہوئی تھی۔ مردوں کی سر پرستی کے ایسے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی جس سے نکلنا اسکے لئے محال تھا۔ کبھی باپ کی حاکمیت، کبھی شوہر کا تسلط، اور کبھی بیٹوں کی سخت نگرانی کے دائرے میں اس کی زندگی مقید ہو کر رہ گئی۔ یہ مرد اس کی شادی، بیاہ، نکاح اور حتیٰ کہ اس کی زندگی اور موت کے مالک بھی تھے جب چاہتے وہ بلا عذر اس کو قتل کر دیتے۔

لیکن رومی معاشرہ حالات و زمانہ کے تغیرات سے گزرا عورت اپنی بے کسی اور بے بسی کے باوجود آزادی اور خود مختاری کے لئے مصروف جدو جہد رہی۔ قدیم روم کی حالت تبدیلی سے دو چار ہوئی جمہوری رویوں کا آغاز ہوا تو کسی حد تک عورت کی آزادی کے بارے میں مردوں کے نظریات میں تبدیلی واقع ہوئی اگر چہ کہ خاندانی نظام وہی قبائلی طرز کا رکھا گیا، لیکن عورت کے حقوق کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ گذشتہ صفحات میں مختلف مصنفین نے رومی معاشرے کے اتار چڑھاؤ اور خواتین کے حقوق و حالات پر جو تبصرے کئے۔ ان کی روشنی میں میرا تجزیہ یہ کہتا ہے کہ حالات و حقوق کے حوالے سے یہ تبدیلی مردوں کی از خود ذہنی تبدیلی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ عورتوں کی اس محروم معاشرے میں آزادی کی طلب اور جدو جہد کا ثمر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب عورت کو معاشی، سیاسی اور سماجی خود مختاری کی طرف قانون سازی کا عندیہ دیا گیا تو اس نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ گذشتہ صفحات میں ان اکابرین اور سلاطین روم کے بیانات پیش کئے گئے ہیں جو یہ اقرار کرتے ہیں کہ خواتین نے جب ان کو موقع دیا گیا تو انہوں نے رومی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔

رومی معاشرے کی یہ تبدیلی جس میں عورت کو اگر چہ معاشی آزادی دی گئی لیکن مردوں کی بالا دستی پھر بھی ہر شعبہ پر بدستور قائم رہی اور وہ خود انحصاری جو عورت کا حق

تھا پھر بھی اس کو نہ دی گئی۔ بقول ''سیمون دی بوا''

''رومی عورت زمین پر ایک مقام کی حامل تھی لیکن وہ مجرد حقوق اور معاشی خودانحصاری کے فقدان کے باعث پابہ زنجیر رہی۔''(113)

ایک وقت ایسا آیا کہ مردوں نے عورت کی جدوجہد آزادی کے اس عمل کو کسی حد تک تسلیم کر کے اس کے لئے قانونی تحفظات تو فراہم کئے لیکن ساتھ ساتھ کھلم کھلا آزادی کا ماحول قائم کر کے عورتوں کو اپنی تسکین کے لئے فحاشی و عریانی کے سمبل کے طور پر استعمال کیا اور پھر پورا رومی معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ حالانکہ بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ عورت کو آزادی دینے کی وجہ سے رومی معاشرہ فحاشی کے سیلاب میں بہہ گیا۔ میرا خیال ہے کہ عورت کو جو آزادی مردوں نے اس وقت فراہم کی وہ بھی ان کے اپنے مفادات کی تکمیل کا ایک ذریعہ تھی۔ وگرنہ مردوں کی بالادستی معاشرے سے ختم ہوسکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے عورت کو بجائے سیاسی، معاشی اور سماجی اداروں میں اہم کردار سونپتے انہوں نے اس کو مزید تباہی و بربادی کے راستے پر چلنے کے مواقع فراہم کئے اور ان سے ذاتی تسکین اور مال حاصل کیا۔ اور اس طرح اس رومی معاشرے میں بالادست مردوں نے عورت کو ہر دور میں استحصال کے عمل سے گذارا۔

٦۔حمورابی قوانین کے تحت خواتین کا مقام اور حیثیت:

''بابل میں نامور بادشاہ حمورابی نے 285 دفعات پر مشتمل تحریری قانون نافذ کر دیا تھا۔ جسکی پابندی وحفاظت ہر شہری کا فرض ہوتا تھا۔ یہ قانون بابل کے حالات و مسائل کے پیش نظر تخلیق کیا گیا تھا جو غالباً حمورابی کے ذہن کی اختراع تھی۔ کہا گیا تھا کہ یہ مسودہ قوانین دیوتا سے حاصل کیا گیا

ہے جس سے اسکو مذہبی حیثیت بھی حاصل ہوگئی تھی۔''(114)

حمورابی بادشاہ کے نافذ کردہ ان قوانین کی روشنی میں سلطنت کے جہاں دیگر شعبہ جات کو چلایا جاتا تھا وہاں معاشرتی زندگی کے حقوق و فرائض کے تعین کی بھی وضاحت کی تھی اس کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

قدیم بابلی تہذیب اور حمورابی قوانین کی روشنی میں پیدا شدہ معاشرے میں عورت کو مرد کے مقابلے میں پست مقام دیا گیا۔ بقول حافظ ڈاکٹر محمد حافظ ثانی:

''قدیم بابلی تہذیب کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب میں بھی مرد کو عورت پر ترجیح اور اہمیت حاصل تھی عورت کو اس تہذیب میں کوئی خاص مقام نہیں دیا گیا تھا۔''(115)

موصوف حمورابی قانون کے تحت عورت کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''تین ہزار سال قبل مسیح کا مشہور بادشاہ حمورابی کی شریعت جسکی وجہ سے بابل مشہور تھا عورت کو پالتو جانور سمجھتی تھی اور اس کی نظر میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کی لڑکی کو قتل کیا تو قاتل کو مقتول کے ورثاء کو اپنی لڑکی حوالہ کرنا ہوتی تھی تاکہ مقتول کے ورثاء اسے قتل کر دیں یا باندی بنالیں یا معاف کر دیں مگر وہ حکم شریعت کی بناء پر اکثر قتل کی جاتی تھیں۔''(116)

درج ذیل بیانات اس حقیقت کی غماز ہیں کہ حمورابی قوانین میں قصاص کا یہ بے رحمانہ عمل تھا جس میں عورت کو بے گناہ ہونے کے باوجود مردوں کے ظلم کے

ازالہ کے طور پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ حمورابی قوانین کے تحت بابل میں جو سماجی نظام قائم تھا وہ چونکہ پدری نظام تھا اور حمورابی قوانین نے اسے ترقی پسندانہ شکل میں رائج کیا ہوا تھا۔ایک مغربی خاتون مفکر ''سیمون دی بوا'' حمورابی قوانین کے تحت عورت کے مقام اور حیثیت کے حوالے سے اس طرح روشنی ڈالتی ہیں:

''بابل میں حمورابی کا ضابطہ قوانین عورت کے مخصوص حقوق تسلیم کرتا ہے عورت کو پدری جائیداد میں حصہ ملتا اور شادی ہونے پر اس کا باپ جہیز فراہم کرتا۔''(117)

تاریخ اقوام عالم کے مصنف ''مرتضٰی خان'' حمورابی قوانین کے تحت عورتوں کے حقوق کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

''قانونی طور پر منکوحہ بیوی کو گھر کی مالکہ سمجھا جاتا تھا لیکن امراء کو لونڈیاں رکھنے کی اجازت تھی۔ جائیداد نرینہ اولاد میں برابر تقسیم ہوتی تھی لڑکیوں کی شادی پر جہیز دیا جاتا تھا باپ کی وفات پر جو لڑکیاں بے بیاہی رہ جاتی تھیں ان کے ولی اور محافظ ان کے بھائی ہوا کرتے تھے۔ بیوہ کو بیٹوں کے برابر حصہ ملتا تھا اور اپنے جہیز کی وارث بھی وہی ہوا کرتی تھیں۔اگر کوئی بیوہ دوسرا نکاح کرتی تو اسے اپنے شوہر کی جائیداد سے ملا ہوا حصہ اپنے بیٹوں کو واپس دینا پڑتا تھا۔اگر کوئی عورت بے اولاد مر جاتی تھی تو اس کا جہیز اس کے ماں باپ کو واپس دے دیا جاتا تھا۔''(118)

بابلی معاشرے میں حمورابی قوانین کے تحت پدری نظام کے استحکام کی ایک

کوشش یہ بھی کی گئی کہ عورت کو فقط اپنی ذاتی ملکیت اور اس پر مکمل تصرف کے لئے یک زوجگی کو ضروری قرار دیا گیا اور دوسری شادی کو ناجائز قرار دیا گیا اور باقاعدہ اس کی سزا مقرر کی گئی:

> ''بابلی معاشرے میں مرد یہ چاہتا تھا کہ دولت دوسرے خاندان اور قبیلے میں نہ جانے پائے وہ عورت اور اس کی عصمت کا مالک تو بن چکا تھا۔اب اس نے عورت کی آزادی پر حملہ کیا اس اسے بالجبر اپنی ذات سے مخصوص کرنے کا اقدام کیا۔اس طریقہ کو یک زوجگی کا نام دیا گیا یعنی ایک مرد کی ایک بیوی اور اس پر اسکی جنسی آزادی سلب کر کے پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ نہ صرف اپنے شوہر سے مخصوص رہے گی بصورت دیگر وہ سخت ترین سزا کی مستوجب ہوگی ۔اس کی وضاحت سامی النسل بابلی بادشاہ حمورابی (1792ق م) کے مشہور اولین تحریری قوانین میں دیکھی جا سکتی ہے۔''(119)

حمورابی قوانین کے تحت جہاں کسی درجے میں خواتین کو حقوق دیئے گئے لیکن مرد کی حکمرانی اور تسلط بڑھتا گیا۔حمورابی نے جہاں عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے قوانین مرتب کئے اور ''محرمات کے ساتھ زنا پر سخت ترین سزائیں دیں جاتی تھیں۔''(120)---وہاں معاشرے میں زنا کو برا خیال کیا جاتا تھا۔''حمورابی قانون کی رو سے زنا کے الزام کی صورت میں مرد وعورت دونوں کو فرات میں کودنے کو کہا جاتا ان میں جو بچ جاتا اس کو بے گناہ تصور کیا جاتا اور جو ڈوب جاتا اس کی جائیداد اطلاع دینے والے کو دی جاتی تھی۔'' (121)

نکاح کے بعد عورت کو گھر کی مالکہ کے حقوق حاصل تھے لیکن گھریلو زندگی کی

زینت یہ عورت مرد کی تابعداری میں ہمہ وقت جتی رہتی اگرچہ حمورابی قوانین میں عورت کو تحفظ دیا گیا لیکن بہرحال مرد کی حکمرانی مسلط ہوتی چلی گئی اور پدری نظام رائج ہونے سے مرد کو ہمہ جہت جنسی حقوق حاصل ہو گئے۔''(122)

حمورابی کے زمانہ سے پہلے بابلی معاشرے میں عورت کی فحاشی اور عریانی کے لئے پہلے جبراً استعمال کیا جاتا رہا تھا اور پھر باقاعدہ اس کی قیمت مقرر کر کے اسے مختلف قسم کے لالچ کے ذریعے بلا جبر عورت کو رضامند کیا جانے لگا اور اس سلسلے میں مذہبی طبقہ نے دیوی اور دیوتا کے نام پر عصمت فروشی کے اس مکروہ عمل کو دیوتاؤں کی رضامندی اور خوشنودی کہہ کر مقدس اور جائز قرار دیا اور یہی طرز عمل طوائفیں پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ اس قسم کی مقدس ''حرام کاری'' کے عنوان کے تحت ابن حنیف لکھتے ہیں:

''جنسی تعلقات کی ایک نوعیت اور بھی تھی اس پر کوئی قدغن نہیں تھی اور وہ تھی مذہبی عصمت فروشی یا مقدس حرام کاری جو مندروں میں ہوتی تھی۔ مقدس حرام کاری میں نے اس لئے کہا ہے کہ مندروں کے پجاریوں کے بعض مخصوص طبقوں کی خواتین ''اننا'' اور ''عستار'' دیویوں سے سچی عقیدت، ایثار، خلوص اور قربانی کے جذبہ میں ڈوب کر ان کی خدمت کے نام پر اپنا کنوار پن تک تج دیتی تھیں اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ سومیری اور بابلی ان کے اس فعل کو دیوی کی نسبت سے مقدس و جائز روا اور عین مذہب خیال کرتے تھے۔ عشق محبت اور تولید کی سومیری دیوی ''اننا'' کے مندر میں جو عبادت ہوتی تھی فحاشی اس کا لازمی جز تھی۔ سومیری مندروں میں صرف دیوداسیاں (پجارنیں) بلکہ طوائفیں بھی بڑی تعداد میں رہتی تھیں۔ یہ مقدس

طوائفیں تھیں جو دراصل مندر سے وابستہ دیوداسیوں کا ہی ایک طبقہ تھیں۔ ان دیوداسیوں کے بعض زمروں کی پجارنیں عصمت فروشی کرتی تھیں۔مگر یہ عصمت فروشی ان قدیم عراقیوں کے نزدیک تقدس کا درجہ رکھتی تھیں۔اور مندر کی کسبی یا طوائف ہونا سومیریوں وغیرہ کے ہاں کوئی ذلت آمیز قابل اعتراض بات نہ تھی۔''(123)

مندرجہ بالا بابلی معاشرے کی کیفیت کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مردوں نے مذہبی تقدس کی آڑ میں میں عورتوں کے دلوں سے زنا کے اس عمل کے بارے میں ایسا تقدس پیدا کیا کہ وہ فعل محترم ہو گیا۔لیکن اس کے باوجود کوئی عورت نہیں چاہتی کہ اس کی عزت اور عصمت کو داغدار کیا جائے۔لہذا کبھی کبھار عورتیں اختلاف کرتیں اور مردوں کے اس جابرانہ تصرف پر احتجاج کرتیں تھیں۔بقول سرکار زینی جار چوی۔

''ان تمام کے باوجود دیوداسیوں، دیوتاؤں کی بیگمات اور مندر میں اس مقصد کے لئے آنے والے اشخاص کے درمیان مجامعت کے مسئلے پر اختلاف ہوتا تھا۔ مادری نظام کی عادی عورتیں اپنی مرضی کو فوقیت دیتی ہیں اور مردوں کے اس مقدس جابرانہ اقدام کے خلاف آواز اٹھاتی تھیں۔اوراس کی جرات وہ اس وقت کرتی تھیں جب شراب کے نشہ میں ہوں کیونکہ نشہ تمام نتائج سے بے پرواہ کر کے جرات مندانہ اقدام پر آمادہ کرنے کا سبب بنتا ہے۔اسی لئے دیوداسیوں کو شراب پینے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔''(124)

حمورابی دور جب شروع ہوا تو اس وقت بھی مندروں میں خواتین کے ساتھ یہی

جابرانہ طرز عمل روا رکھا جاتا رہا۔ مذکورہ بالا کیفیت میں جب دیوداسیاں شراب کے نشہ میں مردوں کے اس رویہ اور تسلط کے خلاف آواز اٹھاتیں تو اس عمل کو مردوں کے خلاف بغاوت تصور کیا جاتا لہٰذا مردوں کے اس تسلط کو برقرار رکھنے اور ان کے جنسی استحصال میں کسی قسم کی رکاوٹ کو نہ پیدا ہونے کے لئے باقاعدہ حمورابی قوانین وجود میں لائے گئے۔ تاکہ عورتیں مردوں کے اس جارحانہ عمل کے سامنے سر جھکائے رکھیں۔ چنانچہ حمورابی کے مجموعہ قوانین میں یہ دو قانونی شقیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں:

1۔ اگر کوئی دیوداسی کسی شراب خانہ میں شراب بیچنے کے لئے داخل ہو جائے تو اسے زندہ جلا دیا جائے۔

2۔ اگر کوئی شخص کسی دیوداسی پر الزام لگائے اور وہ جھوٹ ہو تو الزام لگانے والے کو کشاں کشاں منصف کے سامنے لے جایا جائے اور اس کے آدھے بال کاٹ ڈالے جائیں"۔(125)

مسٹر جان ایل زبک نے کتاب تصنیف کی جس میں اس نے عورت کی قدیم بابلی دور سے عہد موسوی تک ترقی کے مراحل کا ذکر کیا ہے۔

"مصر کے ایک ممتاز اہل قلم "استاذ سلیم عقاد" نے مرکز المراۃ فی قانون حمورابی وفی قانون الموسوی کے نام سے اس کا ترجمہ کیا۔ جو 1927 میں شائع ہوا تھا۔ پہلے باب میں دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیوں کے عہد حکومت میں تقریباً 4500 قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ عورتیں روپوش رہتی تھیں اور باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ ضرورت کے وقت وہ اپنی لڑکیوں کو فروخت کرسکتا تھا۔"(126)

استاذ سلیم عقاد کے اسی عربی ترجمے میں حمورابی ضابطہ قوانین کی مختلف شقیں پیش کی گئی ہیں جن میں عورتوں کے حقوق وغیرہ کا ذکر ہے۔

حمورابی قوانین کے تحت زنا پر سخت پابندی تھی اور اس پر سخت سزائیں رائج تھے۔ شاید یہ واحد قانون تھا جس کے تحت عورت کی عصمت وعفت کی حفاظت ہوتی تھی۔ اگر چہ کہ اس سلسلے میں بھی عورتوں کو زیادہ سخت سزاؤں سے دو چار رکھا گیا مگر پھر بھی گذشتہ بابلی دور کے مقابلے میں عورتوں اور مردوں کے لئے لازم تھا کہ وہ با قاعدہ نکاح کے ساتھ زندگی گذاریں نہ عورت کے لئے جائز تھا کہ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کرے اور نہ مرد کسی عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈال سکتا تھا حمورابی قانون کے ضابطہ نمبر 130 کے تحت ''آزاد لڑکی سے زنا بالجبر کی سزا موت تھی۔''(127)

حمورابی ضابطہ قانون کی شق نمبر 130 کے تحت اگر کسی لونڈی کے ساتھ زنا کا ارتکاب ہو تو مردوں کے لئے یہ سزا مقرر تھی۔

''اگر کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی لونڈی کی بجز بکارت زائل کر دے تو اس پر لازم تھا کہ وہ چاندی کے پانچ شیقل جرمانہ ادا کرے۔''(128)

درج بالا ضابطہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک آزاد عورت اور ایک لونڈی کی عصمت وعزت میں کتنا فرق روا رکھا گیا تھا ایک طرف آزاد عورت کے ساتھ جبر کی سزا موت تھی اور دوسری طرف ایک عورت کی عصمت لونڈی کی حیثیت سے داغدار ہوئی تو اس کی سزا فقط چاندی کے پانچ سکے جرمانہ۔ ایسی کیفیت میں شاید امراء کا طبقہ اس درجہ کی خواتین کا کیا حشر کرتا ہوگا؟

حمورابی ضابطہ نمبر 126 میں شادی شدہ عورت اگر زنا کی مرتکب پائی جائے تو

اس کی درج ذیل سزا بیان کرتا ہے۔

''شادی شدہ زانیہ عورت کو باندھ کر دریا میں ڈالا جاتا ہاں اگر اس کا شوہر اسے معاف کر دیتا یا بادشاہ اسے چھوڑ دیتا تو خلاصی ممکن تھی۔''(129)

درج بالا ضابطہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس معاشرے میں عورت زنا کی مرتکب ہوتی ہو جو شادی شدہ ہو تو فقط اس کو سزا کا مستحق اس وجہ سے سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنے مرد کی غیرت کا مسئلہ تھا۔ اگر وہ معاف کر دیتا تو اس کی جان بخشی ہو سکتی تھی گویا سزا کی اصل روح مرد کی خواہشات اور مرضی تھی۔

خلاصہ کلام:

جب سے مردوں نے معاشرے میں مادری نظام کو شکست سے دو چار کیا اور پدری نظام قائم کیا معاشرے میں خواتین کا مقام پستی سے ہمکنار ہوتا گیا۔ بابلی معاشرے کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قدیم بابلی معاشرہ پدری نظام کے اندر ارتقاء کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ پدری نظام کے تحت قدیم بابلی رسم و رواج کے تحت عورت انتہائی پستی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دی گئی۔ اس کو جانوروں کے ریوڑ کی طرح اپنے مفادات کا ذریعہ سمجھ کر رکھا جاتا تھا۔

مقدس مذہبی عقائد کے تحت اس کی عزت و عصمت کو داؤ پر لگا دیا گیا مردوں نے طرح طرح کے قوانین اور ضابطوں کے ذریعے عورتوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کی کوشش کی اس کی ہر طرح کی آزادی کو سلب کر دیا۔ ایک عام اشیائے صرف کی طرح بوقت ضرورت خواتین کو فروخت بھی کیا جاتا تھا۔

لب لباب یہ کہ قدیم بابلی معاشرے میں عورت کو مردوں نے اپنے پر تعیش، اور

مال کمانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ پدری نظام اپنی ترقی یافتہ شکل میں موجود تھا جب بابل پر مشہور بادشاہ حمورابی جلوہ گر ہوا اس نے ایسے قوانین مرتب کئے جو شاید ایک طرف بابلی معاشرے کی اصلاح اور ارتقاء کی طرف ایک مثبت قدم تھے لیکن دوسرے پہلو میں وہ پدری نظام کے زیر اثر مردوں کی بالا دستی کو مزید مستحکم بنانے میں کامیاب ہوا۔ مثلاً یک زوجگی کا قانون مرد کی ملکیت میں عورت کو مکمل طور پر دینے کے حوالے سے ایک قانون تھا۔ اس کے علاوہ حمورابی قوانین کے مطالعے سے یہ بھی حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس نے کسی حد تک خواتین کے حقوق کو تسلیم کیا ہے لیکن اگر ان قوانین کا باریکی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت صاف عیاں ہوتی ہے کہ مردوں ہی کو اس کا فائدہ پہنچا اور خواتین کو کوئی خاص مقام حاصل نہ ہوسکا۔ عورت کی زندگی کے معاملات بہر حال مرد ہی کے ہاتھ میں تھے۔ گھر کی مالکہ تو قرار دیا لیکن مرد کی مرضی کے تابع، جہیز تو دینے کا قانون بنایا لیکن اس کی محتاجی مرد کے ساتھ وابستہ تھی۔ عورت کو شوہر، والد اور بیٹوں کے تسلط سے یہ قوانین نہ نکال سکے۔ بلکہ نئے انداز سے مزید حاکمیت اور تابعداری کی صورتیں پیدا کی جاتی رہیں۔ زنا کے نام پر عورتوں کو سخت سے سخت سزاؤں سے دوچار کیا جاتا تھا اور اس حوالے سے مرد عورتوں سے ذاتی انا کے بدلے کے لئے بھی ان کو مختلف الزامات میں پھانس کر ان کو موت سے ہمکنار کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ سلطنت کے تمام اداروں میں مکمل طور پر غلبہ مردوں کا تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حمورابی قوانین بھی عورت کو مردوں کے حاکمانہ تسلط سے نہ نکال سکے اور عورت کو کوئی خاص مقام دینے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

۷۔ زرتشت قوانین کے تحت خواتین کا مقام اور حیثیت:

''زرتشت مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے متفقہ

تاریخ کے مطابق یہ زیادہ سے زیادہ تین ہزار سال پرانا ہے۔''(130)

زرتشت مذہب اپنے بانی زرتشت کے نام سے منسوب ہے۔ زرتشت مذہب کے بارے میں اصل حقائق وتعلیمات کی موجودہ دور میں موجودگی مشکوک ہے۔

''جو کچھ زرتشت کی زندگی کے ساتھ ہوا ویسا ہی اسکی اصل تعلیمات کے ساتھ ہوا، ذرائع ناکافی اور غیر معتبر ہیں۔اس مسئلے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ برسوں سے دیگر تعلیمات اور داستانیں اس پیغمبر کی حقیقی تعلیم میں شامل ہوتی رہی ہیں۔''(131)

زرتشت نے اگرچہ عورت کے بارے میں زیادہ باتیں نہیں کیں لیکن اسکی بعض تقاریر میں ایسے اقوال موجود ہیں جن سے اس کے نزدیک عورت کے مقصد تخلیق، اس کی حیثیت ومقام کا کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔ زرتشت ایک جگہ عورت اور مرد کے تعلق کے حوالے سے عورت کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

''عورت سرتاپا معما ہے اور عورت کا سرتاپا ایک ہی حل ہے جس کا نام حمل ہے۔عورت کے واسطے مرد ایک وسیلہ ہوتا ہے مقصد ہمیشہ بچہ ہوتا ہے۔ لیکن عورت کی مرد کے لئے کیا حیثیت ہوتی ہے؟ کھرا مرد دو چیزیں چاہتا ہے خطرہ اور کھیل اس لئے وہ عورت کو بحیثیت ایک خطرناک کھیل کے چاہتا ہے۔''(132)

مذکورہ قول میں زرتشت نے عورت کی زندگی کا ایک ہی مقصد بیان کیا کہ وہ بچے پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔یعنی مرد ایک وسیلے کے طور پر کام کرتا ہے باقی عورت فقط بچہ پیدا کرنے کے لئے ہے اور خطرناک کھیل قرار دینے کا شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ

عورت کی چالاکیوں، مکاریوں کا مقابلہ کرنا گویا مرد کے لئے ایک خطرے سے کھیلنا ہے۔ اگر وہ مقابلہ نہیں کر پاتا تو شاید اس سے اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے لہذا وہ عورت کو ایک خطرناک کھیل کے طور پر چاہتا ہے۔

زرتشت جہاں عورت کو بچے پیدا کرنے کے مقصد تک محدود کرتا ہے وہاں اسے صرف مردوں کی تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتا ہے اس کا بیان ہے کہ:

''مرد کی تعلیم جنگ ہونی چاہئے اور عورت کی تعلیم جنگ آوروں کی تفریح طبع باقی تمام چیزیں حماقت ہیں۔''(133)

زرتشت کی تعلیمات کائنات میں مرد اور عورت کا موزوں توازن پیدا کرتی ہیں اس طرح الہیاتی اور مابعدالطبیعاتی بحثوں کی اساس بھی اس نظریہ پر ہے کہ:

''تین لافانی ہستیاں مذکر ناموں اور مردانہ خوبیوں سے متصف ہیں جب کہ دیگر تین کے مونث نام ہیں اور وہ زنانہ خوبیوں کی نمائندہ ہیں اس طرح ''اہورا مزدا'' کی پوری فطرت مرد اور عورت کا موزوں توازن ہے۔''(134)

مذکورہ بیان کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لیوس مور لکھتے ہیں:

''تین مزکر لافانی آشا (خدا کا قانون کا علم اور بذات خود قانون) ووھومانا (محبت) اور کشھترا (محبت کرنے کا عمل) ہیں۔ تین مونث لافانی آرمیتی (رحم) ھاؤ رواتت (جامع یا تکمیل) اور امیری تت (لافانیت) ہیں۔ راسخ العقیدہ زرتشتی دعا کرتے ہیں کہ یہ چھ فرشتے ان کے گھروں میں آئیں اور ان رحمت کا سایہ کریں۔''(135)

درج بالا بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ زرتشت مذہب نے اپنے مذہبی عقیدے میں عورت اور مرد کی برابری کا تصور دیا ہے۔ اگر مرد کو محبت کا علمبردار بنایا تو عورت کو رحم کہا ہے اس طرح کا توازن کی اساس فراہم کی جو شاید آگے چل کر سماجی زندگی میں اسی طرح روبہ عمل ہو اور مرد اور عورت باہمی معاملات میں بھی برابر ہوں مگر زرتشت کے دیگر اقوال کا جب جائزہ لیا جاتا ہے (جو شاید اس کے اپنے ہیں یا اس کے نام سے منسوب ہیں) تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مرد کے مقابلے میں سماجی زندگی میں وہ عورت کو کمتر سمجھتا ہے زرتشت عورت کے معاملے میں یہ نقطہ نظر بیان کرتا ہے کہ اچھی سے اچھی عورت میں بھی بہرحال خرابی کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ یعنی وہ بہرحال عورت کی ذات پر مکمل بھروسے کا قائل نظر نہیں آتا اس سلسلے میں اس کا یہ قول ملاحظہ کریں۔ زرتشت کہتا ہے کہ:

''جنگ آور کو بہت میٹھے پھل پسند نہیں ہوتے اس لئے اسے عورت پسند ہے میٹھی سے میٹھی عورت میں بھی ترشی ہوتی ہے۔''(136)

زرتشت عورت کو مرد کے کھلونے کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ یہ نقطہ نظر پیش کرتا ہے کہ عورت مرد سے بہتر بچوں کا خیال رکھ سکتی ہے اور نفسیاتی طور پر ہر مرد کے اندر ایک بچگانہ کیفیت ہوتی ہے جس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا خیال رکھا جائے۔ اسی نفسیاتی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے زرتشت چاہتا ہے کہ عورت مرد کے لئے کھلونا بن جائے جس سے مرد اپنا دل بہلائے---زرتشت کہتا ہے:

''مرد سے بہتر عورت بچوں کو سمجھتی ہے لیکن مرد میں عورت سے زیادہ بچپن ہے کھرے مرد میں بچہ پوشیدہ ہوتا ہے اور یہ بچہ کھیلنا چاہتا ہے۔ عورتو: اٹھو اب مرد میں بچے کو ڈھونڈ نکالو۔ عورت ایک کھلونا ہونا چاہئے پاک اور

لطیف مثل جواہرات کے جس میں ایک ایسی دنیا کی شعاعیں چمک رہی ہوں جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے۔''(137)

زرتشت دیگر مذاہب کی طرح عورت کو مرد کا مطیع اور فرمانبردار دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک عورت کی اپنی خواہشات، احساسات مرد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بس اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو مرد کی خواہشات ہیں وہی عورت کی یعنی وہ ہمہ وقت اپنی ذات کی نفی کر کے مرد کے احساسات اور مرضی پر سر تسلیم خم کرے اور انکی تکمیل کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ زرتشت کا قول ہے:

''مرد کی خوش وقتی کا یہ نام ہے ''میں یہ چاہتا ہوں'' اور عورت کی خوش وقتی کا یہ نام ہے ''وہ یہ چاہتا ہے'' مزید کہتا ہے۔ ''جب عورت کامل محبت کے ساتھ مطیع ہوتی ہے تو اس کے دھیان میں یہ بات ہوتی ہے ''دیکھ دنیا ابھی ابھی مکمل ہوئی ہے'' اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اطاعت کرے اور اپنی سطحیت کے لئے اگر گہرائی تلاش کرے۔''(138)

زرتشت جہاں عورت کو مرد کا مطیع اور فرمانبردار دیکھنا چاہتا ہے وہاں وہ شادی جیسے بندھن میں بندھ جانے کے بعد ایک دوسرے کے احترام کا نظریہ بھی دیتا ہے۔ تا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کو تعظیم دیں۔ زرتشت کا بیان ہے:

''شادی یہ میرے نزدیک نام ہے دو شخصوں کے اس عزم کا کہ وہ ایک ایسے شخص کو پیدا کریں جو والدین سے بڑھ چڑھ کر ہو میرے نزدیک شاد ی نام ہے ایک دوسرے کے احترام کا جو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ اس عزم کے رکھنے والوں میں ہوتا ہے۔''(139)

زرتشت عورت اور مرد کی باہمی محبت کو نہایت منطقی انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تمہاری محبت عورت سے اور عورت کی محبت مرد سے، آہ کاش کے اس عوض مریض اور پردہ نشین خداؤں کے ساتھ ہمدردی ہوتی لیکن اکثر دو جانور سونگھ کر ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔''(140)

زرتشت مرد اور عورت کے باہمی رشتہ کی اساس محبت کو قرار دیتا ہے۔ اور اس اساس کو ایک بلندتر مقصد کے ساتھ جوڑتے ہوئے مقدس قرار دیتا ہے۔ اس حقیقت کو زرتشت اس طرح بیان کرتا ہے:

''لیکن تمہاری اچھی سے اچھی محبت بھی محض ایک دل خوش کن تشبیہ اور ایک تکلیف دہ آنچ ہے۔ وہ ایک مشعل ہے جس سے تمہیں بلندی کی طرف جانے کے لئے روشنی دکھانی چاہئے۔ ایک روز تمہیں اپنے آپ سے بڑھ چڑھ کر محبت کرنی ہوگی، لہذا پہلے محبت کرنا سیکھ تو لو اور اس لئے تمہیں چاہئے کہ اپنی محبت کا تلخ جام پی لو۔ بہترین محبت کے جام میں بھی تلخی ہوتی ہے لہذا اسے فوق البشر کی تمنا بناؤ لہذا اس کو اپنے خالق کے لئے پیاس بناؤ خالق کے لئے پیاس فوق البشر تک پہنچنے کا تیر اور تمنا تو سہی۔ بھائی میرے! کیا عزم شادی کا یہی مقصد ہے؟ اس قسم کا عزم اور ایسی شادی میرے نزدیک پاک ہے۔''(141)

زرتشت عورتوں کے لئے رحم و محبت کا جذبات رکھتا تھا۔ عورتوں کے احترام اور نفرت کی بجائے محبت کی تلقین اس کے درج ذیل بیان سے واضح ہوتی ہے جب وہ ایک جنگل سے گزرتے ہوئے چند ناچنے والی لڑکیوں کے سامنے آیا۔ لڑکیاں اس کو

پہچان کر رک گئیں تو زرتشت ان کے پاس آیا اور کہا:

> ''ناچ کو بندمت کرو اے پیاری لڑکیو! میں جو تمہارے پاس آیا ہوں تو کھیل بگاڑنے والا بن کرنہیں آیا جو تیوری چڑھائے رہتا ہے اور نہ لڑکیوں سے نفرت کرنے والا بن کر آیا ہوں میں خدا کا شفیع ہوں شیطان کے دربار میں۔''(142)

خلاصہ کلام:

زرتشت مذہب کا شمار قدیم مذاہب میں ہوتا ہے۔ حالات وزمانہ کے تغیرات سے زرتشت کی اصل تعلیمات تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس کی طرف منسوب تعلیمات میں کئی نظریات وتعلیمات بعد میں شامل کر لی گئیں۔ خواتین کے مقام اور حیثیت کے حوالے سے مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہرحال زرتشت کے اقوال اور تقاریر کی صورت میں جو مواد میسر آیا اس کی روشنی میں زرتشت کے عقائد کی اساسی فکر مرد اور عورت کے توازن کے تصور پر قائم نظر آتی ہے۔ لیکن دیگر اقوال میں ایک طرف زرتشت عورت کو بچے پیدا کرنے کے مقصد تک محدود کرتا ہے اور اسے مرد کی فرمانبردار اور اطاعت گزار بناتا ہے جہاں وہ اپنی خواہشات کی نفی کر کے فقط مرد کی خواہشات پر سر تسلیم خم کرتی رہے اور دوسری طرف وہ خواتین کو مردوں کی تفریح طبع کے لئے اور ان کی تسکین کے لئے کھلونہ بننے کی تلقین کرتا ہے۔

میرا ذاتی تجزیہ یہ ہے کہ زرتشت نے دیگر مذاہب کے اکابرین کی طرح عورت کو مرد کا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے ساتھ ساتھ اس کو گھریلو زندگی میں محبت کا حقدار قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں بیوی سے محبت اور ربط وتعلق کے حوالے سے اس کے اقوال شاہد ہیں۔ لب لباب یہ ہے کہ زرتشت کی پرواز بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکی کہ

عورت مرد کی حاکمیت میں رہ کر ہی محبت ورحم کی مستحق ہوسکتی ہے۔

۸۔ یہودی مذہب میں خواتین کا مقام اور حیثیت

یہودی مذہب کا شمار الہامی مذاہب میں ہوتا ہے۔ یہودیت صرف چند عقائد و نظریات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان عقائد ونظریات کی بنیاد پر ایک باقاعدہ عملی نظام کا تصور بھی موجود ہے۔ اور سماجی زندگی کے دیگر مسائل کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہودی مذہب کے سماجی تصورات میں لین دین، اخلاقیات، سیاسیات کے تمام نظریات شاید ترقی وارتقاء کی طرف رہنماء ہوں مگر ان کے افکار نے عورت کو زندگی کے اس دھارے میں کوئی حیثیت نہیں دی۔ مرد کے مقابلے میں عورت کو کم تر رکھ کر اسے سماجی زندگی میں ایک بداعتمادی کے دائرے میں مقید کر دیا ہے۔ یہودیت نے عورت کو ازلی گنہگار ٹھہرایا ہے اور اس کو پیدائشی بدطینیت، مکار اور نسل انسانیت کی دشمن قرار دیا ہے۔ اور اسکی تخلیق کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا کہ اسے آدم کی پسلی سے خدا نے پیدا کیا۔ اور اس طرح اسے آدم سے پیدا کرنے کے نظریے کے تحت اس کی حیثیت مرد کے مقابلے کم تر ثابت کی گئی۔ عورت کی تاریخ کے بارے میں عہد نامہ قدیم میں جو روایت موجود ہے وہ ملاحظہ ہو:

> ''خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اسے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا۔''(143)

لیکن عہد نامہ قدیم میں ایک دوسری جگہ لفظ انسان کا استعمال کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے بڑی دلچسپی اور محبت سے اسے پیدا کیا ہے کتاب پیدائش میں لکھا ہے کہ:

''اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔''(144)

میرا خیال ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد مرد کی لی گئی ہے کیونکہ عورت کو تو آدم کی تخلیق کے بعد اس کی پیدائش پسلی سے ہوئی اس پر مزید بحث کرنے سے یہودیوں کے ربی یوشع کا تبصرہ ملاحظہ کریں جس میں وہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے کہ عورت کیوں آدم کی پسلی سے بنی؟ ---ربی لاوی کے مطابق سکنین کے ربی یوشع نے کہا کہ:

''خداوند نے عورت بنانے کے لئے آدمی کے اس (پسلی) حصے کا انتخاب کیا۔ سر سے نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فخر کرے، منہ سے نہیں کہ کہیں وہ باتونی نہ ہو جائے، اور نہ کان سے کہ کہیں وہ ہر بات سننے کی خواہش نہ کرے، اور نہ دل سے کہ کہیں وہ حسد نہ کرے، اور نہ ہاتھ سے کہ کہیں وہ ہر شئے کو تلاش نہ کر لے اور نہ پاؤں سے کہ کہیں وہ آوارہ نہ ہو جائے بلکہ صرف سب سے چھپی ہوئی جگہ یعنی پسلی سے کہ اگر آدمی ننگا ہو تو بھی وہ جگہ چھپی ہوئی ہے۔''(145)

مذکورہ ربی کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کرنے کا یہ فیصلہ اسی لئے ہوا کہ وہ گویا آزادی اظہار، خودمختاری کی وہ کیفیت نہ پالے جو ایک مرد کا حق سمجھی جاتی ہے گویا اس کو پسلی سے پیدائش کے اس تصور کے ذریعے کم تر ثابت کیا گیا ہے۔

عورت کی پسلی سے پیدائش کے بارے میں یہودی ربی گملی ایل کا یہ دلچسپ

واقعہ ملاحظہ ہو۔ یہودیوں کی مشہور کتاب تلمود میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ:

''پسلی کے بدلے بیوی -- بادشاہوں میں ایک نے ربی گملی ایل سے کہا کہ تمہارا خدا ایک چور ہے جیسا کہ یہ لکھا ہے کہ: ''اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا'' -- ربی کی بیٹی نے کہا کہ: ''مجھے اس سوال کا جواب دینے دیں۔ رات کو میرے کمرے میں چور آئے اور ایک چاندی کا برتن چرا لے گئے لیکن وہ اس کی بجائے ایک سونے کا برتن چھوڑ گئے'' -- بادشاہ نے کہا کہ: ''میری خواہش ہے کہ اس طرح کے چور ہر رات آئیں''۔ اسی طرح آدم کے ساتھ ہوا۔ خدا نے اس سے پسلی نکالی لیکن اسکی جگہ ایک عورت رکھ دی۔''(146)

عورت کی تخلیق کے نظریے میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ یہودیوں کے ہاں عورت کی تخلیق مرد سے ہوئی اور اسی تصور کے ساتھ مرد کے مقابلے میں اس کی حیثیت کم ہو گئی۔ تخلیق عورت کے بعد یہودیوں کے ہاں یہ روایت کہ عورت یعنی حوا نے آدم کو گمراہ کیا اور اسی جرم کی پاداش میں اس کو مکار اور ازلی گنہگار قرار دیا گیا۔ گویا عورت کی ذلت اور پست درجے کی طرف دوسرا قدم ہے جس سے اس کی حیثیت مشکوک اور بداعتمادی کا شکار ہو جاتی ہے۔ عہد نامہ قدیم میں اس روایت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''تب خداوند نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا تو کہاں ہے؟ اس نے کہا مَیں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے

اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟
آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس
درخت کا پھل دیا اور میں کھایا۔ تب خداوند خدا نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو
بہکایا تو میں نے کھایا۔ اور خداوند نے سانپ سے کہا کہ اس لئے کہ تو نے
یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے
بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا اور میں تیرے اور عورت کے
درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ
تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔ پھر اس نے عورت سے کہا
کہ میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور
تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کریگا۔"(147)

مذکورہ عہد نامہ قدیم کی اس روایت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ عورت نے آدم کو بہکایا اور اس کے بدلے میں اس کو مجرم قرار دے کر تاحیات یہ سزا ازل دے دی گئی کہ وہ مرد کی حاکمیت میں رہے گی۔ اس یہودی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں کہ:

"لیکن وہ (یہودی مذہب) ہمارے سامنے یہ تصور لاتا ہے کہ مرد نیک
سرشت اور نیک کردار ہے اور عورت بدطینت اور مکار، نسل انسانی کے
پہلے مرد حضرت آدم جنت میں عیش و راحت کی زندگی گزار رہے تھے
کیونکہ وہ خدا کے فرمانبردار تھے لیکن ان کی بیوی حوا نے انہیں سب سے
پہلے خدا کی نافرمانی پر اکسایا اور ان کو ایک ایسا پھل کھلایا جس کے کھانے
سے خدا نے انہیں روکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی نعمتوں سے محروم کر

دیئے گئے اوران کو مشقت اور تکلیف کی زندگی نصیب ہوئی۔''(148)

مذکورہ آیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے موصوف مزید لکھتے ہیں:

''دوسرے الفاظ میں حوا نے آدم کو گمراہ کر کے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا خدا کی طرف سے اس جرم کی یہ سزا ملی کہ وہ حمل اور ولادت کی تکلیف میں مبتلا کی گئی اور ہمیشہ کے لئے اس پر مرد کا اقتدار اور غلبہ قائم کر دیا گیا۔ اب قیامت تک مرد کا اقتدار و تصرف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ ''اگر کوئی عورت خدا کی منت مانے اور اپنی نوجوانی کے دنوں میں اپنے باپ کے گھر ہوتے ہوئے اپنے اوپر کوئی فرض ٹھہرائے اور اس کا باپ جس دن یہ سنے اسی دن اسے منع کرے تو اس کی منت یا کوئی فرض جو اس نے اپنے اوپر ٹھہرایا ہے قائم نہیں رہے گا اور خداوند اس عورت کو مندور رکھے گا کیونکہ اس کے باپ نے اسے اجازت نہیں دی۔ اور اگر کسی آدمی سے اس کی نسبت ہو جائے حالانکہ اس کی منتیں یا منہ کی نکلیں ہوئی تو بات جو اس نے اپنے اوپر فرض ٹھہرائی ہے اب تک پوری نہ ہوئی ہو اور اس کا آدمی یہ حال سن کر اس دن اس سے کچھ نہ کہے تو اس کی منتیں قائم رہیں گی لیکن اگر اس کا آدمی جس دن یہ سب سنے اسی دن اسے منع کرے تو اس نے گیا اس عورت کو معذور رکھے گا۔ اگر اس نے اپنے شوہر کے گھر ہوتے ہوئے کچھ منت مانی یا قسم کھا کر اپنے اوپر فرض ٹھہرایا ہو اور اس کے شوہر نے جس دن یہ سب سنا اسی دن اسے باطل ٹھہرایا ہو اور اسکے شوہر نے انکو توڑ ڈالا ہو۔ اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا اس کی ہر منت کو اور اپنی جان کو دکھ دینے کی ہر قسم کو اس کا شوہر چاہے تو قائم رکھے یا اگر چاہے

تو باطل ٹھہرائے ۔شوہر اور بیوی کے درمیان اور باپ بیٹی کے درمیان جب بیٹی نوجوانی کے ایام میں باپ کے گھر ہو اس ہی آئین کا حکم خداوند نے موسیٰ کو دیا۔'' (149)

یہودیوں کے ہاں چونکہ یہ فکر عام ہے کہ آدم کو بہکانے میں عورت نے بنیادی کردار ادا کیا۔یعنی تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلی غلطی کا ارتکاب عورت نے کیا۔ اسی نظریے کی بنیاد پر عورت کو روز اول سے کمتر اور مصیبت کا رثابت کر کے اس کی حیثیت کو کم کر دیا گیا۔

یہودیوں کی اسی فکر کی عکاسی ان کا عملی سماجی نظام کرتا ہے جہاں عورت کی حیثیت اور مقام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اشیاء مصرف کی طرح خریدی اور بیچی جا سکتی ہے۔وراثت میں کوئی حصہ نہیں۔گھریلو زندگی سے لے کر تمام معاشرتی اداروں میں مرد کی حاکمیت میں ایک خادمہ کی حیثیت میں نظر آتی ہے یہودی معاشرے میں عورت کی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی رقم طراز ہیں کہ:

''یہودیوں کے نزدیک عورت مال متاع اور جانوروں کی طرح خریدی اور بیچی جا سکتی ہیں۔اگر اس کے بھائی موجود ہیں تو وہ میراث سے محروم ہوگی اس طرح ان کے ہاں یہ قانون بھی تھا کہ اگر عورت بے اولاد ہو اور بیوہ ہو جائے تو پھر وہ اس کے مرحوم شوہر کے کسی بھائی کے مختص رہے گی اسے کسی دوسرے سے نکاح کا حق حاصل نہیں ہوتا اس کے علاوہ لوگ اسے حقیر بھی سمجھتے تھے اور اس میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ عورت کے ماہواری کے ایام میں اسے نجس سمجھتے تھے اس لئے وہ ان دنوں اس کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھاتے اور نہ میاں بیوی ایک بستر پر سوتے ان

کےعقیدے میں عورت فطرتاً ناپاک تھی جوعورت لڑکا جنتی وہ محض سات دن ناپاک رہتی اور باقی تینتیس دن وہ طہارت کے استعمال کے لئے دن پورے کرتی اور چالیس دن تک عبادت گاہ میں اس کا آنا جانا ممنوع ہوتا اور جوعورت لڑکی جنتی اسے اس سے یہ قانون بھی مردوں کی عورت پر فضیلت کے عقیدے کی ایک کڑی تھی۔ ایام ماہواری میں عورت ناپاک گردانی جاتی تھی جوکوئی اسے یا اسکے ٹھنڈے پانی سے غسل کئے پاک نہ ہوتا۔ اسی طرح حائضہ عورت کا شوہر اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ سوائے اس کے بعد کہ کوئی شخص گواہی دے دے کہ اس نے عورت کو غسل کرتے دیکھا ہے۔''(150)

یہودی معاشرے میں مردکوعورت پر ہرطرح کی بالادستی حاصل تھی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ:

''یعنی عورت بغیر اپنی مستقل شخصیت اور ارادے کے زندگی گزارتی تھی اپنے کسی کام کو اپنی مرضی سے نہیں کرسکتی تھی۔ بلکہ وہ مرد کی تابع تھی جو اسے استعمال کرتا تھا اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ کسی خادم اور غلام کی حیثیت میں تھی اس کا باپ جب چاہتا اسے بیچ سکتا تھا اور جس سے چاہتا اسکی شادی کراسکتا تھا وہ شوہر کی مکمل تابعدار اور اس کی محتاج ہوتی یہودی عورت آج تک اسی حیثیت کی حامل ہے۔''(151)

قدیم یہودیوں میں یہ قانون رائج تھا کہ وہ خانگی معاملات میں عورت کو بغیر کسی وجہ کے طلاق دے سکتے تھے۔ انکی مذہبی کتاب میں لکھا ہے:

''جب کوئی کسی عورت کا شوہر بن جائے اور عورت میں کوئی قابل

اعتراض عیب نہ ہو تب بھی اسے اجازت اور اختیار ہے کہ وہ اسے طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے دے اور اسے گھر روانہ کر دے۔"(152)

ڈاکٹر حافظ ثانی یہودیت میں مرد کی عورت پر بالادستی اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عورت کے معاملے میں یہودی مذہب بھی کچھ زیادہ مہربان نظر نہیں آتا چنانچہ یہودیت میں نرینہ اولاد کی موجودگی میں عورت کے حق وراثت کا تصور نہیں کیا جا سکتا یہودی معاشرہ میں عورت کو سرتاپا گناہ کا منبع اور مجسم گناہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ یہودی قانون میں وراثت بیٹے یا بیٹیوں کو ملتی ہے جب بیٹا نہ ہو تو بیٹیوں کو منتقل ہو جاتی ہے اور جب بیٹیاں بھی نہ ہوں تو پھر بھائیوں کو مل جاتی ہے اور جب بھائی بھی نہ ہوں تو پھر بہنوں کا حق ہوتا ہے اسی طرح باپ کو اختیار ہے کہ انہیں بطور کنیز کسی کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے بلکہ اگر باپ فوت ہو جائے تو بھائی اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھ سکتا ہے۔"(153)

یہودی مذہب نے عورت کی تخلیق اور اس کو آدم کے بہکانے کے جرم میں ازلی مصیبت کا رقرار دیا۔ اور اسی بنیاد پر اس کے دیگر حقوق کا تعین کیا۔ لیکن دیگر کئی مذاہب کی طرح یہودیوں نے بھی عورت کو گھر کی زینت بنانے پر زور دیا۔ اور مردوں کی حظ نفس کی تسکین اور انہیں گھر آرام و آرائش کے لئے اس کی حیثیت کو مذہب کے ذریعے مقدس بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی المیہ ہے کہ ایک طرف عورت کو مکار، ازلی گنہگار اور اس کی اس گنہگاری کے جرم میں سزا کیا دیتے ہیں کہ وہ مرد کی تابعداری اور محکومیت میں رہے گی۔ اور دوسری طرف یہودی ربیوں نے گھریلو زندگی میں عورت کو

مذہبی عقائد کی آڑ میں مقدس حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔ایک یہودی ربی اباہ کا قول ملاحظہ ہو:

''گھر کی سب برکتیں بیوی کے ذریعے آتی ہیں اس لئے اس کے شوہر کو اس کی عزت کرنی چاہیئے۔''(154)

عورتوں کو ظلم کا شکار کر کے رلانے کی ممانعت کرتے ہوئے ربی راب نے کہا کہ:

''آدمیوں کو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عورتوں کو رلانے کا سبب بنیں کیونکہ خدا ان کے آنسو جمع کرتا ہے۔''(155)

مزید کہتا ہے کہ:

''خیرات کے لئے آدمی اور عورتیں دونوں مدد کے لئے دعویٰ کرتے لیکن عورتوں کی پہلے مدد کرنی چاہیئے اور اگر دونوں کے لئے خیرات ناکافی ہو تو آدمیوں کو خوشی سے اپنے دعوؤں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔''(156)

عورت کے ساتھ خاوند کی ہمدردی اور تعلق کے بارے میں مزید تحریر کرتا ہے:

'' ایک عورت کی موت کے غم کا احساس جتنا اس کے خاوند کو ہوتا ہے کسی اور کو نہیں ہوتا۔''(157)

اسی حقیقت کی وضاحت اس قول میں کرتا ہے کہ:

''خدا کی قربان گاہ پر اس کے لئے آنسو بہتے ہیں جو اپنی پہلی محبت کو چھوڑ دیتا ہے۔''(158)

بیوی کے ساتھ ربط و تعلق محبت کے ساتھ استوار کرنا اور خانگی زندگی کو استحکام

دینے کی افادیت اوراہمیت بیان کرتے ہوئے ربی راب کہتا ہے:

> ''وہ جواپنی بیوی سے اپنی مانند محبت کرتا ہے اوراپنے سے زیادہ اس کی عزت کرتا ہے وہ اپنے بچوں کی ٹھیک طور سے تربیت کرے گا اور وہ اس آیت کو بھی پورا کرے گا کہ اور تو جانے گا کہ تیرا خیمہ امن میں ہے تو اپنی چراگاہ کو دیکھے گا اوراسمیں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی۔''(159)

خلاصہ کلام:

یہودی مذہب کا شمار الہامی مذاہب میں ہوتا ہے ۔ یہ فقط نظریات وعقائد کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ عملی زندگی کے مسائل پر بھی بحث کرتا ہے لیکن اس کے تمام نظام فکر و عمل میں عورت کو کوئی حیثیت اور مقام نہ مل سکا۔ تورات کی روایتیں جو تخلیق عورت کے بارے میں پیش کی جاتی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو مرد کے وجود سے پیدا کر کے اس کو دوسرے درجے کی مخلوق بنایا گیا ہے۔ اورمزید یہ کہ جب اسے مرد کے جسم سے تخلیق کیا گیا تو اس نے مرد کو بہکایا اور مصیبت کا ارتکاب کیا اور آدم کو جنت سے نکلوایا۔ اسی طرح اس کو ازلی گنہگار اور مکار ثابت کر کے تاحیات اس کو عدم اعتماد کی سند عنایت کر دی گئی۔

عورت کے مقام کے حوالے سے یہ دونظریے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعد میں آنے والے مفکرین یہودیت ،فریسی علماء اکابرین نے عورت کی انہی روایتوں کی بنیاد ایسی تحقیر کی کہ شاید ہی تاریخ میں اسکی مثال ملتی ہو، گذشتہ صفحات میں تالمود اور عہد نامہ قدیم کے اقوال پیش کئے گئے جو اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ عورت بہر حال مرد کی تابعداری اور محکومی میں ہی زندگی گزارنے کی مجاز ہے۔ اور یہ محکومی اور تابعداری اسکی اس ازلی گناہ کی سزا ہے جو خداوند نے اس کو دی ہے۔

حیرت ہے کہ خداوند کی ان تعلیمات کو پیش کرنے والا بھی مرد ہے۔ جو بدلتے ہوئے حالات میں عورت کو زیر تسلط اپنے مفادات کے حصول کی تکمیل کا ذریعہ بنانے کے لئے خداوند کی ہستی کو استعمال کرتا ہے۔ایک طرف اس کو مصیبت کار، بے اعتماد قرار دیتا ہے اور دوسری طرف اپنے گھر کی رونقیں بھی اس سے بحال کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے گھر کی افادیت اس کے استحکام کی اہمیت اور عورت کو بحیثیت بیوی مقدس قرار دے کر اس کے ساتھ محبت والفت کی تلقین کرتا ہے۔اس حوالے سے یہودی ربیوں کے اقوال پیش کئے گئے جن میں بحیثیت بیوی کے عورت سے محبت کی تلقین موجود ہے۔مگر دوسرا پہلو سماجی زندگی میں یہ نظر آتا ہے کہ عورت کو قانون کے ذریعے آزادی اظہار، وراثت اور خودمختاری سے محروم رکھا گیا ہے۔اور اس کو معاشرے میں اشیاءضرورت کی طرح بیچنے تک کی ترغیب موجود ہے۔

۹۔عیسائی مذہب میں خواتین کی سماجی حیثیت اور مقام:

عیسائیت یہودی مذہب کا ہی تسلسل ہے:

''اس کے عقیدے کے مطابق عورت اپنی جدہ ماجدہ کو ہونے والی سزا کا بار اٹھائے ہوئے ہے اور قیامت تک رہے گی۔تحریف شدہ مسیحیت میں عورت کو کوئی اہمیت یا حقوق نہیں دیئے گئے۔سوائے چند واجبی حقوق کے کہ جو عورت کو رفعت شان اور مطلوبہ مقام ومرتبہ نہیں دے سکتے۔''(160)

''عیسائی آئیڈیالوجی نے عورت پر جبر میں کچھ کم حصہ نہیں لیا بلاشبہ انجیل میں ہمدردی کی ایک فضا ہے جو کوڑیوں ہی کی طرح عورتوں تک پہنچی ہے۔اور یقیناً عاجز عوام، غلام اور عورتیں پرجوش انداز میں نئی شرع سے چمٹ گئیں۔ابتدائی عیسائی ادوار میں جب عورت کلیسا کے حل میں بہ

رضاحت جاتیں تو ان کے ساتھ نسبتاً عزت والا سلوک کیا جاتا ہے وہ مردوں کے کندھے سے کندھا ملا کر شہید ہوتیں۔ لیکن عبادت میں شرکاء کے طور پر وہ صرف ایک ثانوی مقام لے سکیں یا شماساؤں کو اجازت تھی کہ وہ کلیسا میں بیماروں اور غریبوں کی خبر گری کے فرائض سرانجام دیں اور اگرچہ شادی کو ایک باہمی وفاداری کی متقاضی روایت مانا جاتا تھا یہ واضح لگتا ہے کہ بیوی کا مکمل طور پر شوہر کے ماتحت ہونا لازمی تھا۔ نسوانیت کی شدید مخالفت یہودی روایت نے سینٹ پال کے توسط سے توثیق پائی۔''(161)

عیسائیت میں خواتین کا مقام ان کے حقوق کے حوالے سے انجیل مقدس کی روایتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

گنہگار اور بدی کی جڑ:

عیسائیت میں عورت کے متعلق یہ اساسی نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ آدم کو جنت سے نکلوانے کی ذمہ دار عورت ہے اور چونکہ شیطان کے بہکاوے میں عورت آچکی تھی لہٰذا اسی نے آدم کو بھی بہکایا۔ گویا اس طرح عورت کی پہچان یہ کرائی گئی کہ وہ بہکانے والی ہے۔ انجیل میں اس واقعے کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ عورت ہی شیطانی قوتوں کی آلہ کار ہیں۔ اس واقعہ کو بائبل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے باغ میں تیری آواز سنی تھی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپکو چھپایا۔ اس نے کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں تجھ کو حکم دیا تھا کہ

اسے نہ کھانا۔آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا اس نے مجھے اس درخت کا پھل اور میں نے کھایا۔تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا۔عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا اور میں نے کھایا اور خداوند نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا اور میں نے کھایا اور خداوند خدا نے کہا کہ سانپ سے کہا کہ اس لئے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور رشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا اور میں نے تیری اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے درد حمل کو بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی۔''(162)

''اسی بناء پر عورت کو کلیسا میں گنہگار اور بدی کی جڑ قرار دیا گیا اور اس ہر مصیبت کا محرک شیطان کے آنے کا دروازہ اور دوزخ کا راستہ بتایا گیا ہے۔عورت کو دنیا کی ہر مصیبت، بدی کی جڑ، دنیا پر لعنت ملامت نازل کرنے والی قرار دیا گیا ہے۔''(163)

انجیل مقدس کی درج بالا آیت کی روشنی میں اس نظریے کو مختلف عیسائی مفکرین اور مذہبی رہنماؤں نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔مگر سب نے اپنی توجہ ایک ہی نقطے پہ مرکوز رکھی وہ یہ کہ عورت پیدائشی گنہگار، بدی کی جڑ، شیطان کی آلہ کار وغیرہ ہے۔عیسائیت کے ابتدائی دور کی ایک بہت بڑی مذہبی شخصیت ''ترتولیون'' عورت کے متعلق یہ نظریہ ظاہر کرتے ہیں کہ:

''وہ شیطان کا دروازہ، وہ شجرہ ممنوعہ کی طرف لے جانے والی خدا کے

قانون کو توڑنے والی اور خدا کے خلاف ورغلانے والی تحریص، مرد کو
غارت کرنے والی ہے۔‘‘(164)

ایک اور عیسائی عالم’’ کرائی سوسٹم‘‘ نے تو عورت کے بارے میں انتہائی شدید الفاظ استعمال کئے ہیں کہ:

’’عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت،
ایک خانگی خطرہ، غارت گردلربائی اور ایک راستہ مصیبت ہے۔‘‘(165)

’’مسیحی فضلاء میں سے سینٹ پال، سینٹ آگسٹائن اور دیگر مشائخ کے
خیالات میں بھی عورت شیطان کی آلہ کار، مجسمہ بدی اور خواہشات نفسانی
کا مبداء ہے۔‘‘(166)

عیسائیوں کی معتبر شخصیت پولس نے تیمیتھس کے نام خط میں عورتوں کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو جس میں عورت کو مرد سے کم تر کہا گیا اور عورت کا آدم کے مقابلے میں گنہگار ہونا بیان کیا گیا ہے:

’’میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت (مرد کو) سکھائے یا مرد پر حکم چلائے
بلکہ چپ چاپ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوا اور آدم نے
فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔‘‘(167)

معروف مفکر ابوالاعلیٰ مودودی عیسائیت کے اس نظریے پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ
ہے۔ مرد کے لئے مصیبت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔

تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہئے، کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کو دائماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر لعنت اور مصیبت لائی ہے۔''(168)

موصوف کے درج بالا بیان سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ عیسائیت کی وہ تعلیمات جو کہ یقیناً حضرت عیسیٰ کی حقیقی تعلیمات نہیں ہیں۔ ان کے بعد آنے والے علماء نے تحریف کر کے اپنی ذہنیت کی عکاسی کی ہے۔ اور اس قدر عورت کو پست درجہ دے دیا یہ کام ان مفسروں اور پادریوں کا ہے جو شاید عورت ذات سے نفرت اور تعصب رکھتے تھے۔ ڈاکٹر حافظ ثانی عورت کے متعلق عیسائی اکابر کلیساء کی آراء نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- سینٹ برنارڈ کا قول ہے: ''عورت شیطان کا ہتھیار ہے''۔
- سینٹ انتھونی کا قول ہے: ''عورت شیاطین کے ہتھیاروں کی کان ہے۔''
- سینٹ بوناونیٹر کا قول ہے: ''عورت ایک بچھو ہے جو ڈسنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے، وہ شیطان کا نیزہ ہے''۔
- سینٹ سائیرین کا قول ہے: ''عورت وہ ہتھیار ہے جسے شیطان ہماری روحوں پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے''۔
- سینٹ جیروم کا قول ہے: ''عورت شیطان کا دروازہ، ظلم کی شرکت، اور بچھو کا ڈنگ ہے''۔

- سینٹ جان دمشقی کا قول ہے: ''عورت جھوٹ کی بیٹی ہے، دوزخ کی سیاہی اور امن کی دشمن ہے اسی کے ذریعہ انسان نے بہشت کو کھویا تمام وحشی درندوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے''۔
- سینٹ گریگری کا قول ہے: ''عورت سانپ کا زہر رکھتی ہے اور اژدھے کا کینہ۔''(169)

درج بالا عیسائی اکابر کے اقوال اس حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں خواتین کا کیا مقام ہوسکتا ہے۔اور اس نظریے کی اساس پر سماجی زندگی کی تشکیل کیسے ہوسکتی ہے؟ اور عورت معاشرے میں کیونکر اعتماد اور عزت پا سکتی ہے؟ جبکہ اسے شیطان کا ہتھیار، بدی کی جڑ اور وحشی درندے سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہو۔

عورت کی تخلیق:

عورت کی تخلیق کے بارے میں عیسائی تصورات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پھر بھی اس کی حیثیت کو مرد کے مقابلے میں کمتر ثابت کیا گیا ہے۔اور یہ عقیدہ کہ عورت کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ازل سے عورت کے مقام کو دوسرے نمبر پر لانے کے لئے کافی قرار دیا گیا ہے۔عورت کے بارے میں یہ تصور کے اس نے آدم کو بہکایا اور ایک شیطانی آلہ کا کردار ادا کیا۔اس سے پہلے اس کی حیثیت کو کم تر قرار دیا گیا تھا کہ اسے آدم کی مددگار کے طور پر اس کے جسم کی فاضل پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔یہ تصور بائبل میں اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

''اور خداوند نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا۔اور

خداوند خدا اس کی پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا اور اسے آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں ہڈی ہے اور گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے۔''(170)

اگر درج بالا بائبل کے بیان کا تجزیہ کیا جائے تو اس پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ عورت مرد کے وجود سے پیدا کی گئی ہے۔ اس آیت پر نہایت دلچسپ انداز سے تبصرہ کرتے ہوئے ایک عیسائی قلم نگار لکھتا ہے:

عورت کا آدم کی پسلی سے بننے میں بھی گہری سچائی پائی جاتی ہے کہ عورت کا مرد کے ساتھ اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ وہ اس کا حصہ ہے وہ ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں اور یہ ایک بابرکت، خوشی اور عزت کی بات ہے۔ لسانیات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو بھی ''پسلی'' کا تعلق زندگی سے ہے کیونکہ آدم اور حوا کے اندر ایک ہی زندگی تھی اور وہ دو مختلف قسم کے نہ تھے بلکہ ایک جسم تھے۔ عورت خلق شدہ دنیا میں محض ایک چیز ہی نہیں۔ بلکہ ایک مکمل انسانی شخصیت، مرد کی نفس یا ذات کے برابر ہے۔

دوم پسلی کے لئے عبرانی لفظ Tsela کا مطلب پہلو طرف، پہلو کے کمرے (خصوصاً خوابگاہ) یا پٹھے اور پسلیوں کے درمیان کا گوشت ہے۔ ڈاکٹر ھیلن ویسل اپنی کتاب Under the Apple Tree میں لکھتی ہیں کہ پسلی کے لئے عبرانی لفظ Tsela پرانے عہدنامہ میں 42 دفعہ آیا ہے جس کا ترجمہ مسلسل پہلو کے کمرے (خوابگاہ) ہی کیا گیا ہے ماسوائے حوا کے معاملہ میں جہاں ترجمان بے اصولی سے اس کا ترجمہ پسلی کرتے ہیں۔ اور ان کے مطابق پیدائش کا ترجمہ یوں ہونا چاہئے کہ

خداوند خدا نے اس گوشت سے جو آدم کے پہلو سے نکالا تھا ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا۔ بہر حال ترجمہ خواہ پسلی ہو یا پہلو اس سے شوہر اور بیوی میں گہری رفاقت، قربت، فطرت اور ان کی قسم میں یکسانیت کا مفہوم ہی نکلتا ہے عورت کے گھٹیا پن اور کم تری کے تصور کا شائبہ تک نہیں ملتا۔'' (171)

درج بالا پسلی کی بحث میں موصوف نے کمال کی کوشش کی ہے کہ کسی طرح سے گہری رفاقت کو ثابت کیا جا سکے۔ اگر اس کے دوسرے پہلو پر غور کیا جائے تو مرد کی فوقیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ عورت کو مرد کے وجود سے نکالا گیا ہے۔ اور خود بائبل کے الفاظ ہیں کہ مرد کو خدا نے خاص اپنے جلال سے پیدا کیا ہے۔ لیکن عورت کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اسے مددگار کے طور پر مرد کی پسلی سے بنایا گیا ہے۔ مرد کو تخلیق کے بارے میں بائبل کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ پولس رسول لکھتا ہے کہ:

''مرد خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے۔''(172)

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عورت خدا کی صورت اور جلال نہیں ہے؟ انجیل کی اس روایت کو یہودی، مسلمان اپنی اپنی کتابوں میں ملتے جلتے الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور عورت کو آدم کی پسلی سے پیدا ہونے کے عمل کو بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو ازل سے کم تر ثابت کرنے کا عندیہ دیتے ہیں۔ بائبل کی روایتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ آدم صرف مرد کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جب یہ کہا گیا کہ عورت آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کی مرد کے مقابلے میں آدم (انسان) کی وہ آزاد حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ عورت کو آدم کے زمرے سے نکال کر اس کو ناری یا نر سے نکلی ہوئی کوئی شخصیت قرار دیا گیا۔ بائبل کا بیان اس طرح اس کی وضاحت کرتا ہے:

''یہ عورت تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی ہے اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔''(173)

انسانی معاشرہ میں جب مرد معاشی اور سیاسی غلبہ حاصل کر چکا تو اس نے عورتوں پر اپنی بالا دستی کو مستحکم کرنے کے لئے اور ان پر اپنی فوقیت برقرار رکھنے کے لئے دیو مالائی حکایتوں اور روایتوں کا سہارا لیا جن کا تعلق مذہبی عقائد سے تھا۔ تخلیق آدم کے حوالے سے بائبل کی مذکورہ روایت بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے جس میں عورت پر مرد کے تقدم کی اساس رکھی گئی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سرکار زینی جار چوی رقمطراز ہیں۔

''آریوں کے ھند میں تسلط قائم کرنے کے بعد جب پدری نظام نے مادری نظام پر اپنا اثر قائم کرنا شروع کیا تو اس دور میں ایسی ہی دیو مالائی روایتوں سے کام لیا گیا۔ جو سومیری اقوام سے دوسری اقوام تک پہنچی تھیں چنانچہ ایک اپنشد میں تخلیق انسانی کی ایسی ہی روایت ملتی ہے جس کا ذکر بائبل میں آدم کی تنہائی کو وسیلہ بنا کر بیان کیا گیا ہے فرق صرف نظریہ کا ہے بائبل میں اسے خدا سے منسوب کیا ہے۔ جبکہ اپنشد میں دیوتا سے نسبت دی ہے۔''(174)

موصوف بائبل کی اس روایت: ''اور آدم نے کہا یہ عورت تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بائبلی روایت کے اس آخری حصہ کی عبارت سے پوری طرح عیاں ہے کہ بنی اسرائیل کے مذہب پرست علماء کا بنیادی مقصد اس کے سوا کچھ

نہیں کہ وہ نر سے نکالی گئی ناری اور مرد سے نکالی ہوئی عورت ثابت کر دیں ۔اس مفروضہ کوعقیدہ کی شکل دینے کے لئے اس روایت کے راوی نے یہ الفاظ آدم کی زبان سے ادا کر دیئے ہیں جبکہ یہ آدم نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں کسی موقع پر ادانہیں کئے تھے۔''اساطیری روایتوں اور دیو مالائی حکایتیں اس دور میں تیار ہوئیں جب مرد معاشرہ پر سیاسی ، معاشی اور مذہبی غلبہ حاصل کر چکا تھا۔اس نے عملاً اس نظریہ کوفروغ دیا۔ابتداء میں یہ روایتیں سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہیں پھر رسم الخط ایجاد ہوئے کے بعد ضبط تحریر میں آ گئیں اور یہی تاثر ہمارے ذھنوں میں پختہ ہوکر عقیدہ بن گیا۔ اوراب ہم اسی بنیاد پر یہ بات ماننے کو تیارنہیں ہوتے کہ مرد سے عورت نہیں بلکہ مردعورت سے پیدا ہوا تھا۔''(175)

میرا ذاتی تجزیہ یہ ہے کہ عیسائیت میں عورت کے تخلیق کے ابتدائی نظریے نے آگے چل کر سماجی حوالے سے عورت کے مقام کومعاشرے میں پست حیثیت دینے میں اہم کردارادا کیا۔اسی نظریے کو بنیاد بنا کر عیسائی اکابر نے طرح طرح کی تفسیر اور دلائل سے عورت کورزیل،کمتراور گنہگار قرار دے کراس کے تقدس اور درجات کوکم کر دیا۔

عورت اورمرد کا صنفی تعلق اورعیسائیت :

عیسائیت میں رہبانیت کا تصور موجود ہے ۔عورت کے حوالے سے چونکہ ابتدا ہی سے یہ فرض کرلیا گیا کہ وہ بہکانے والی ، شیطان کی آلہ کار اوراس کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے ۔لہذا روحانی ترقی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ عورت کے ساتھ تعلقات نہ ہوں اس تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

''ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک

نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت میں کیوں نہ ہو۔اخلاق کا یہ رھبانہ تصور پہلے سے اشراقی فلسفہ کے زیر اثر جڑ پکڑ رہا تھا مسیحیت نے آکر اسے حد تک پہنچادیا۔اب تجرد اور دویشنر گی معیار اخلاق پائی اور تاہل کی زندگی اخلاقی اعتبار سے پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی۔ لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کا تقوٰ، تقدس اور بلندی کی علامت سمجھنے لگے پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ یا تو آدمی نکاح ہی نہ کرے یا اگر نکاح کرہی لیا ہو تو میاں و بیوی ایک دوسرے سے زن اور وشوہر کا تعلق نہ رکھیں متعدد مذہبی مجلسوں میں یہ قوانین مقرر کئے گئے کہ چرچ کے عہدہ دار تخلیہ میں اپنی بیویوں سے نہ ملیں میاں اور بیوی کی ملاقات کھلی جگہ پر ہو اور کم از کم دو غیر آدمی موجود ہوں۔ازدواجی تعلق کے نجس ہونے کا تخیل طرح طرح سے مسیحوں کے دل میں بٹھایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک قاعدہ یہ تھا کہ جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے رات میاں بیوی نے یکجا گزاری ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے گویا انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا۔جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس مذہبی کام میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے۔اس راھبانہ تصور نے تمام خاندانی علائق حتیٰ کہ ماں اور بیٹے تک کے تعلق میں تلخی پیدا کردی اور ہر وہ رشتہ گندگی اور گناہ بن کر رہ گیا جو نکاح کا نتیجہ ہو۔"(176)

موصوف ان نظریات کے نتیجے میں پیدا شدہ معاشرے کی نقشہ کشی کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

"ان نظریات نے نہ صرف اخلاق اور معاشرت میں عورت کی حیثیت حد

سے زیادہ گرا دی بلکہ تمدنی قوانین کو بھی اس درجہ متاثر کیا کہ ایک طرف
از دواجی زندگی مردوں اور عورتوں کے لئے مصیبت بن کر رہ گئی اور دوسری
طرف سوسائٹی میں عورت کا مرتبہ ہر حیثیت سے پست ہو گیا۔''(177)

درج بالا بیانات سے یہ وضاحت ہوئی کہ عیسائیت میں رہبانیت کے تصور نے بھی عورت کی حیثیت کو پست کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔لیکن اگر بائبل کے بیانات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک دوسری صورت جو اس عملی تاریخی صورت سے بالکل متضاد نظر آتی ہے۔ جہاں عورت کے ساتھ ایک معاشرتی تعلق کو مختلف پیراؤں میں بیان کیا گیا ہے۔اور بیوی اور شوہر کے آپس کے تعلق کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنیکی کوشش کی گئی۔ بائبل کا بیان ہے:

''جو اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے آپ سے محبت رکھتا ہے۔''(178)

اس بیان میں گویا شادی کے تعلق کی وضاحت ہوتی ہے کہ شادی کے بعد اپنی بیوی سے محبت ضروری ہے۔اس بیان سے عیسائی اکابرین کے اس طرز عمل کی نفی ہوتی ہے جسمیں انہوں نے عورت کے ساتھ جائز تعلق کے بارے میں بھی کراھیت کا اظہار کیا ہے۔ایک دوسری جگہ بائبل اپنے گھر کی خبر گیری کو ایمان کا حصہ قرار دیتی ہے پولس رسول کا بیان ہے کہ:

'اگر کوئی اپنوں خاص کر اپنے گھرنے کی خبر گیری نہ کرے تو ایمان کا منکر
اور بے ایمان سے بدتر ہے۔''(179)

شوہر اور بیوی کے حق کی وضاحت کرتے ہوئے پولس رسول کرنتھس کی کلیسیا کو لکھتے ہوئے کہا کہ:

''شوہر بیوی کے حق ادا کرے اور ویسا ہی شوہر کا بیوی اپنے بدن کی مختار نہیں بلکہ شوہر ہے اسی طرح شوہر بھی اپنے بدن کا مختار نہیں بلکہ بیوی ہے۔''(180)

ایک طرف تو عیسائی اکابر کا تصور رھبانیت ہے جہاں عورت کے ساتھ نکاح کے باوجود کسی تعلق کی نفی ہوتی ہے۔ وہاں بائبل بیاہ کرنے کو عزت کی بات قرار دیتی ہے بائبل کا بیان ہے:

''بیاہ کرنا سب میں عزت کی بات سمجھی جائے اور بستر بے داغ رہے کیونکہ خدا حرام کاروں اور زانیوں کی عدالت کرے گا۔''(181)

بائبل جہاں شادی کے عمل کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے وہاں وہ شوہر کو اپنی بیوی کا وفادار بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ اور نفس کی حرص وہوس سے بچنے کی تلقین کرتی نظر آتی ہے بائبل میں لکھا ہے:

''خداوند تیرے اور تیری جوانی کی بیوی کے درمیان گواہ ہے تو نے اس سے بیوفائی کی ہے اگرچہ وہ تیری رفیق منکوحہ بیوی ہے اور کیا اس نے ایک ہی کو پیدا نہیں کیا باوجود یہ کہ اس کے پاس اور ازدواج بھی موجود تھیں پھر کیوں ایک ہی کو پیدا کیا اس لئے کہ خدا ترس نسل پیدا ہو پس تم اپنے نفس سے خبردار رہو اور کوئی اپنی جوانی کی بیوی سے بیوفائی نہ کرے۔''(182)

شوہر اور بیوی کے تعلق کو بائبل اتنی گہرائی میں دیکھتی ہے کہ انہیں ایک جسم قرار دیتی ہے متی کی انجیل میں درج ہے کہ ''وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔''(183)

بائبل کی تعلیمات سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد عورت بیوی کی حیثیت سے خدا کی طرف سے ایک تحفہ ہے اور خداوند کا فضل ہے۔ بائبل کا قول ہے۔ ''جسکو بیوی ملی اس نے تحفہ پایا اور اس پر خداوند کا فضل ہوا۔''(184)

ایک دوسری جگہ بائبل اسی تصور کی وضاحت اس طرح کرتی ہے:

''تیری بیوی تیرے گھر کے اندر میوہ دار تاک کی مانند ہوگی اور تیری اولاد تیرے دسترخوان پر زیتون کے پودے کی مانند۔''(185)

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اکثر حالات کی خرابی کی وجہ سے نوبت طلاق تک آ جاتی ہے۔ بائبل اس سلسلے میں یہ تنبیہ کرتی ہے کہ عورتوں پر ظلم نہ کرو۔ اور طلاق سے بیزاری کا اظہار کیا ہے بائبل میں ہے:

''میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے رب الافواج فرماتا ہے اس لئے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تا کہ بیوفائی نہ کرو۔''(186)

درج بالا بائبل کی تعلیمات اور عیسائی اکابر کے طرز عمل کا اگر تجزیہ کیا جائے یہ صورت سامنے آتی ہے کہ بائبل کے اقوال عورت کو بیوی کی حیثیت سے ایک مقام ضرور دیتی ہے۔ اس کی عزت و نگرانی کی تلقین کرتی ہے اور اسے خداوند کا مرد کے لئے تحفہ قرار دیتی ہے۔ اس تناظر میں رھبانیت کی اساس پر خانگی زندگی نکاح و شادی کے انکار کی تردید ہوتی ہے۔ اگرچہ کہ عورت کو بیوی کی حیثیت سے یک جان اور خدائی تحفہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہمیں وہ اساسی نکات بھی مدنظر رکھنے چاہئیں جن

میں عورت کو تخلیق کے اعتبار سے ناقابل اعتماد قرار دے کر اس کو دنیا میں سزا کی مستحق بھی قرار دیا گیا جس میں گذشتہ حوالہ جات میں یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ عورت کی سزا یہ ہے کہ وہ دردِ حمل سے گزرے گی اور بچہ جنے گی۔ ساتھ اس کو اس سزا کی خبر بھی سنائی گئی کہ تم ہمیشہ مرد کی حاکمیت میں رہو گی مرد کی حاکمیت کے حوالے سے بائبل کے اقوال درج ذیل ہیں:

مرد کی عورت پر حاکمیت اور بائبل:

بائبل کے اقوال جہاں مرد کی فوقیت کا اظہار کرتے ہیں وہاں واضح انداز میں عورت پر مرد کی حاکمیت کی بات کرتے ہیں۔ عورت کو ازلی گنہگار قرار دے کر عورت کی تاحیات سزا یہ مقرر ہوئی۔

> ''تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔''(187)

مرد کو ایک مددگار دیا گیا جو اس کی خواہشوں کا احترام اور اس کی خدمت کرے گا اور گویا مرد کی مدد اور خدمت کے لئے عورت کو پیدا کیا گیا۔ بائبل کے الفاظ ہیں:

> ''اور خداوند نے کہا آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لئے ایک مدد گار اس کی مانند بناؤں گا۔''(188)

عورت کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپکو مرد کی حاکمیت میں دے دے بائبل کا ارشاد ہے:

> ''پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے (یعنی مرد کے اختیار میں ہونے کی)۔''(189)

شوہر کے مقابلے میں بیوی کو تابعداری کی اس طرح تاکید کی گئی کہ تم ایسی تابعداری کرو جیسے خداوند کی اور ہمیشہ شوہر سے ڈر کر رہو۔ بائبل کا قول ملاحظہ ہو:

''اے بیویو! اپنے شوہروں کی ایسی تابع رہو جیسے خداوند کی جیسے کلیسیا مسیح کے تابع ہے ویسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں اور بیوی اس بات کا خیال رکھے کہ اپنے شوہر سے ڈرتی رہے۔''(190)

عورتوں کو تابعدار رہنے کے لئے بائبل مزید درس دیتی ہے کہ ''اے بیویو! تم بھی اپنے اپنے شوہر کے تابع رہو اور اگلے زمانہ میں بھی خدا پر امید رکھنے والی مقدس عورتیں اپنے آپ کو اسی طرح سنوارتی اور اپنے اپنے شوہر کے تابع رہتی تھیں چنانچہ سارہ ابراھم کے حکم میں رہتی اور اسے خداوند کہتی تھی تم بھی اگر نیکی کرو اور کسی ڈراوے سے نہ ڈرو تو اس کی بیٹیاں ہوئیں۔''(191)

اسی طرح پولس رسول نے مرد کو خدا کی روح کا مسکن قرار دے کر عورت کے لئے قابل تعظیم ظاہر کیا ہے۔ وہ مردوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے اگر کوئی خدا کے مقدس کو برباد کرے گا تو خدا اس کو برباد کرے گا۔ کیونکہ خدا کا مقدس پاک ہے اور وہ تم ہو۔''(192)

کرنتھیوں کے نام اسی خط میں پولس مزید لکھتا ہے:

''میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے''۔(193)

پولس رسول عورتوں کے سر ڈھانکنے کو محکومی کی علامت سمجھتا ہے اور لہذا وہ مردوں کو اس سے منع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

> ''مرد کو اپنا سر ڈھانکنا نہ چاہئے کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلالی ہے اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے۔ اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے۔''(194)

مرد کی حاکمیت اور عورت کو تابعدار رہنے کے حوالے سے درج بالا تمام اقوال اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عیسائیت نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کس مقام پر رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہبی تقدس اور عذاب وثواب کی رغبت اور ڈراوے کا سہارا لے کر عورت کو ہر طرح سے مرد کی تابعدار رکھنے کی تلقین ہے۔ اور اس کے اندر یہ احساس پیدا کیا ہے کہ وہ مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے مرد کے بغیر یا علیحدہ اس کا وجود کسی حیثیت کا حامل نہیں ہوسکتا۔ لہذا اس نے اس سے خوفزدہ رہ کر اس طرح اس کی فرمانبرداری کرنی ہے جیسے خداوند کی فرمانبرداری ہوتی ہے۔ یہ تو جائزہ تھا کہ مرد کی بالادستی اور حاکمیت کے حوالے سے بائبل کی تعلیمات یا عیسائی اکابر کی تعلیمات کیا کہتی ہیں؟ اب دیکھتے ہیں کیا واقعی حضرت عیسیٰ کے نظریات کی اساس اس طرح کے تصورات تھے یا یہ تحریف شدہ نظریات ہیں جو ہمیں بائبل کے مختلف اوراق میں ملتے ہیں اور اس کے بعد عیسائی فقہاء کی کتابوں میں ملتے ہیں اگر تحقیقی نقطۂ نظر سے حضرت عیسیٰ کی شخصیت اور حالات ونظریات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ ''حضرت عیسیٰ کی شریعت میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ان فقہاء

کے فتویٰ ہیں جو حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائیت کی کشتی کے کھیون ھار بنے تھے۔ جس طرح یہودیت میں فریسی فقیہہ پیدا ہو گئے تھے۔ اور جنہوں نے حضرت موسیٰ کی شریعت کو تبدیل کر دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے عورت کو اس کے حق کے مطابق تقدس اور عزت بخشی تھی۔"(195)---آپ نے ایک بار عورت کی بے حرمتی کرنے سے روکنے کے لئے مردوں سے کہا تھا:

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا۔ لیکن تم سے میں یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔"(196)

یہودیوں میں یہ رواج تھا کہ وہ نت نئی بیویاں کرنے کے لئے بلا جواز طلاقیں دے دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان کے اقدامات کی مذمت کی اور اس طرح عورتوں کی ذلت اور بے حرمتی کے خلاف آواز اٹھائی۔ انجیل متی کا بیان ہے:

"اور فریسی اسے (عیسیٰ کو) آزمانے کے لئے اس کے پاس آنے اور کہنے لگے کیا برائی کے سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟ اس نے جواب میں کہا" کیا تم نے پڑھا ہے کہ جس نے انہیں مرد و عورت بنایا اس نے ابتداء ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا: اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔"(197)

حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں پر ان کی شفقت مہربانی اس قدر تھی کہ عورتوں نے مرتے دم تک ان کا ساتھ دیا سر کار زینی جار چوی اس

پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چنانچہ مردوں سے زیادہ عورتیں حضرت عیسیٰ کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ اور دور دراز کا سفر کرتی تھیں جب آپکو مصلوب کیا گیا اس وقت ایک بھی مرد آپ کے ساتھ نہ تھا سب نہ صرف ساتھ چھوڑ گئے تھے بلکہ ان میں ایک یہواہ نامی حواری نے انہیں گرفتار کرایا تھا۔ مصلوب ہوتے وقت جو عورتیں آپکے قریب موجود تھیں ان میں مریم گلالینسی، بوسیس کی ماں مریم اور زیدی کی بیوی کے نام لئے گئے ہیں۔ آپ کی قبر کے پاس مذکورہ مریم نامی دونوں عورتیں صبح تک بیٹھی روتی رہیں۔ فرشتے نے ان ہی دو عورتوں سے بات کی تھی اور حضرت عیسیٰ کے دوبارہ جی اٹھنے کا ذکر کیا تھا۔ ان ہی دو عورتوں نے حضرت عیسیٰ کے ان شاگردوں کو یہ خبر پہنچائی تھی جو عین وقت پر علیحدہ ہو گئے تھے یہ عورتیں حضرت عیسیٰ کی خدمت اور زیارت کے لئے گلیل سے آئی تھیں حضرت عیسیٰ کے حکم پر وہ گلیل واپس چلی گئیں۔''(198)

خلاصہ کلام:

عیسائیت میں خواتین کے مقام کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں بائبل اور اکابرین کلیسیا کے اقوال و فرامین کا جائزہ لیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ بائبل کے ذریعے ہی سے ہم حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو جان سکتے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے اقوال اور بیانات ہی عیسوی مذہب کے ترجمان ہیں۔ اگر یہ تحریف شدہ ہیں تو یہ بحث اس موضوع میں نہیں کی جا سکتی خواتین کے مقام، حیثیت اور حقوق کے حوالے سے جہاں تک ہو سکا بائبل کے

اقوال اور اکابرین عیسائیت کے بیانات کو زیر بحث لایا گیا۔

نتیجتاً یہ خلاصہ سامنے آیا کہ عیسائیت میں عورت کو پیدائشی گنہگار اور شیطان کے بہکاوے میں آنے والی سمجھا گیا ہے۔ تخلیق عورت کے بارے میں یہ پختہ عقیدہ ہے کہ عورت کو مرد سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور مرد کے لئے پیدا کیا گیا ہے لہذا تمام فقہاء عیسائیت نے اس پہلو پر زور دیا ہے کہ عورت مرد کی حاکمیت میں رہے گی۔ مرد کی حاکمیت اور تابعداری میں رہتے ہوئے اسے عزت دی گئی ہے یعنی اس کے تمام حقوق عزت و احترام فقط مرد کی بالادستی سے مشروط ہے۔

عیسائیت میں رہبانیت کے تصور کی وجہ سے عورت کو شیطانی ہتھیار قرار دیا گیا ہے اور اسے نکاح کے باوجود احساس گناہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ بعض مستند عیسائی مفکرین اور اکابرین نے تو اس کو بدی کی جڑ قرار دیا ہے اور یہودیوں سے بھی عورت کی تذلیل کے حوالے سے سبقت لے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا تصورات کی بنیاد پر سماجی زندگی کی تشکیل میں عورت بے اعتبار، پست درجے کی شئے کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اس کے مقابلے میں عورت عیسائیت کی تاریخ میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اس نے حضرت عیسیٰ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیا ہر طرح کی قربانی دی۔ حتیٰ کہ مصلوبیت کے وقت جب تمام مرد حواری روپوش ہو گئے تو یہ عورتیں ہی تھیں جنہوں نے ان کو اکیلا نہ چھوڑا۔

لب لباب یہ ہے کہ دیگر مذاہب کی طرح عیسائیت میں بھی خدائی ارشادات کو پیش کر کے عورت کی حیثیت مقام کو گھٹا کر اسے مردوں کی حاکمیت میں دے کر اس کو گھریلو زندگی میں دوسرے درجے کی صنف بنا کر اسے عزت و تقدس کا مستحق قرار دیا۔ اگر بہ نظر غور جائزہ لیں تو یہ بھی مردوں کی ذہنیت کی عکاسی ہے کہ عورت کو زنا یا دیگر اور

حوالوں سے گھریلو زندگی تک محدود کر کے تقدس اوراحترام کے نام پر فقط اپنی غیرت اورانا کی حفاظت مقصود ہے۔تا کہ معاشرے میں مردوں کی عورتوں کے حصول کے لئے جومسابقت کا عمل ہے اس میں ہر مرد بلاشرکت غیرے اپنی عورت کا مالک ہواور دیگر مرد اس کا احترام کریں اوراس کی غیرت محفوظ ہو۔

اس تمام عمل میں شاید ہی عورت کو آدم سمجھ کراس کی آزادی خودمختاری کا احترام کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی کمزوریوں کو جوکہ خودمعاشرتی ماحول سے پیدا کی گئی ہیں ان کو فطری قراردے کرا سے مزید محکوم بنانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔یہی کچھ عیسائی مذہب میں بھی کیا گیا۔اورعورت کی محکومی،پستی اورمرد کے مقابلے میں کمزور حیثیت کو مضبوط مذہبی اساس فراہم کر دی۔تا کہ جب کبھی عورتوں کی آزادی خودمختاری یا انکی مختلف میدانوں میں برتری کی بات ہوتو اس کو مذہبی تصورات کے ذریعے دبایا جاسکے۔

۱۰۔زمانہ جاہلیت میں خواتین کی سماجی حیثیت اورمقام:

گذشتہ صفحات میں انسانی تاریخ کے حوالے سے مختلف مذاہب کے تصورات کی روشنی میں خواتین کی سماجی حیثیت اور پر بحث سے اس حقیقت کی وضاحت ہوچکی ہے کہ مردوں نے خواتین کا ہر دور میں ہر طرح سے استحصال کیا۔اس سلسلے میں مذہبی عقائد ورسومات نے بھی اہم کردارادا کیا۔اسلام جو مذاہب کے تسلسل کی آخری اور جامع کڑی تصور کیا جاتا ہے۔اس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی معاشروں کے فطری اور طبعی ارتقاء کو جاری وساری رکھنے کے صحت منداصول فراہم کرتا ہے۔

حالات وزمانہ کی تبدیلیوں کے نتیجے میں مذاہب وعقائد میں فرسودگی ایک فطری عمل کا نتیجہ ہے۔اسلام گذشتہ عقائد وافکار جوکہ فرسودہ ہوچکے تھے اوران سے معاشرہ مزید روبہ تنزل ہورہا تھا، جہالت سے تعبیر کرتا ہے۔اورتمام جاہلانہ رسومات اورعقائد

کی نفی کر کے عقل وشعور کی بنیاد پر سماجی زندگی کے صحت مندانہ اصولوں کی طرف رہنمائی کا دعویدار ہے۔

اسلام سے پہلے کے دور کو دور جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دور جہالیت میں جہاں فکر ونظر جمود کا شکار تھے وہاں مجموعی طور پر معاشرتی ارتقاء رک چکا تھا۔ انسانی قدریں پامال تھیں، معاشرہ ظالم اور مظلوم کے طبقات میں تقسیم در تقسیم کے عمل سے دو چار تھا انسان کی عظمت فقط قوت و طاقت تھی کمزور اور نحیف انسان معاشرے میں بمشکل زندگی کے دن کاٹنے پر مجبور تھے انسانی حقوق کی پامالی عام تھی۔ ایسے سماجی حالات میں ''عورت'' جو کہ برسوں سے مردوں کے ظلم وستم کا شکار رہی تھی اور معاشرے کے کمزور ترین طبقے سے اس کا تعلق تھا۔ سب سے زیادہ ان مظالم سے دو چار تھی عورت کا نام غیرت کے لئے ایک دھبہ تصور کیا جاتا تھا۔ عورتوں پر ملکیت جتانا انہیں قیدی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور کرنا۔۔ ان کو شہوت کا ذریعہ بنا کر اپنے ہوس اور مال وزر بڑھانے کے لئے استعمال کرنا۔ اور ذراسی کوتاہی پر اسے زندگی سے محروم کرنا عام تھا۔ دور جاہلیت میں عورت کے مقام کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے ایک مذہبی اعالم پیرزادہ مفتی شمس الدین نور تحریر کرتے ہیں:

> ''جاہلیت کے ظالم سماج نے اس ضعف ضعیف کو عزت وناموس کے ہر حق سے محروم کر رکھا تھا بلکہ لڑکیوں کی پیدائش ہی باعث ننگ وعار تھی، خاندان کے لئے ایک بدنما داغ سمجھی جاتی تھی۔ لہٰذا پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دینا باعث فخر تھا۔ جاہلیت کے افراط وتفریط کا اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے یعنی مقدس دیویوں کا عقیدہ، تو دوسری طرف رسم دختر کشی کی حمیت گداز اور انسانیت سوز رسم۔''(199)

درج بالا تبصرہ میں موصوف نے جہالیت کے سماج کا جو نقشہ کھینچا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں عورت کی کس طرح تحقیر کی جاتی تھی؟ لیکن ایک نکتہ معترضہ ہے کہ موصوف نے ضعف وضعیف مخلوق قرار دیا حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔عورت کو فطری طور پر ضعیف سمجھنا ہمارے مردوں کی اس ذہنیت کی عکاسی ہے جس میں ہم عورت کو مردوں کے مقابلے میں ضعیف کا درجہ دیتے ہیں اور پھر دوسرے درجے کی مخلوق بنا کر اس کا استحصال کرتے ہیں۔

مولانا موصوف نے عورت سے ہمدردی کا اظہار تو کیا لیکن میرے خیال میں وہ عورت کو خود بھی صنفی اعتبار سے مرد کے مقابلے میں ضعیف ہی سمجھتے ہیں اگر دیکھا جائے تو یہ تصور ہی آگے چل کر دور جہالیت کے سماج کی عملی تشکیل کا باعث بنتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عورت کا مقام اور قرآنی نقطہ نظر:

قرآن حکیم سماجی ارتقاء کا ہمہ گیر پروگرام رکھتا ہے اور معاشرے کو فطری اصولوں پر استوار کرنے کا نظریہ دیتا ہے۔چونکہ قرآن حکیم نے پرانے اور فرسودہ سماج کی جگہ نئے اور عادلانہ سماج کی طرف رہنمائی کی اور اس فرسودگی اور ظالمانہ روش کے خلاف صدائے حق بلند کی جو اس کو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔لہٰذا دور جاہلیت میں خواتین کے مقام کے حوالے سے قرآن نے مردوں کی اس فرسودہ ذہنیت کی نقاب کشائی کی ہے کہ وہ عورت کو تو معاشرے میں انتہائی پست حیثیت دیتے تھے۔لیکن جب خدا پر عقیدے کے حوالے سے فرشتوں پر ایمان کی بات ہوتی تو وہ انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔قرآن حکیم ان کی اس ذہنیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''وَيَجۡعَلُونَ لِلّٰهِ مَايَكۡرَهُونَ'': اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لئے وہ

جسے وہ خود ناپسند کرتے ہیں''۔(200)

اس آیت کریمہ میں قرآن نے یہ اشارہ اس سماجی ذہنیت کی طرف دیا ہے کہ مرد حضرات کا وہ تخیل جو انہوں نے خدا کے لئے بنا رکھا تھا۔ یعنی معاشرے میں بیٹیوں کے لئے ناپسندیدگی کے انتہائی جذبات رکھتے ہوئے انہیں انتہائی پست درجہ دیتے تھے۔ اور خدا پر عقیدے کے حوالے سے فرشتوں پر ایمان کی بات ہوتی تو وہ انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یعنی وہ خود ایک چیز کو ناپسند کرتے تھے اور دوسری طرف خدا کے لئے انہیں پسندیدہ قرار دیتے تھے۔ قرآن ان کی اس ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ وَلَهُم مَّا يشْتَهُونَ: اور یہ لوگ تو خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ ان سے پاک ہے اور ان کے اپنے لئے وہ جو وہ چاہیں''۔(201)

مذکورہ آیت پر ابن کثیر نے یوں تبصرہ کیا ہے:

''یعنی یہ لوگ فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ انہیں خود بیٹیاں پسند نہ تھیں بلکہ بیٹے پسند تھے۔''(202)

قرآن حکیم اس نقطے کی مزید وضاحت اس طرح سے کرتا ہے:

''وَجَعَلُوا الْمَلَئِكَةَ اَلَّذِينَ هُمْ عِبٰدُالرَّحْمٰنِ اِنَثاً: انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا''۔(203)

قرآن اس جاہلانہ معاشرے میں مردوں کی اس پست ذہنیت کی مذمت کرتا ہے

اوران کی اس نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ ان کی حالت یہ تھی کہ اپنی معاشرتی زندگی میں چھوٹی سے چھوٹی شئے بھی جوان کو پسند ہوتی وہ اپنی عورتوں کے لئے حرام قرار دیتے تھے۔ اور ہمہ وقت ان کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ اچھی سے اچھی شئے کو فقط اپنے مفاد کے لئے رکھیں اورعورتوں کی دسترس سے اسے دور رکھیں۔ گویا یہ انتہا تھی ان کے امتیازات کی جوانہوں نے عورتوں کے ساتھ روار کھے ہوئے تھے۔قرآن حکیم میں اسی نقطےکواس طرح بیان کیا گیا ہے:

''وَقَالُوا مَا فِى بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَة'' لِّذُكُورِنَا وَ مُحَرَّم'' عَلَىٰٓ اَزْوَجِنَا وَاِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُم فِيهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهُ حَكِيم'' عَلِيم'' : وہ کہتے ہیں جوان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے ہماری عورتوں پرحرام ہےاوراگر (پیدا ہونے والا) جانور مرا ہوا ہوتو وہ سب اسمیں شریک ہونگے۔عنقریب خداان کوان کے ڈھکوسلوں کی سزا دےگا۔بےشک وہ حکمت والاخبردار ہے''۔(204)

درج بالا آیت کےحوالے سے زمانہ جاہلیت کی اس کیفیت کا اندازہ ابن کثیر کی درج ذیل روایت سے ہوتا ہے:

''حضرت انس عباسؓ سے روایت ہے کہ مردوں کے لئے خاص چیز دودھ ہے جووہ اپنی عورتوں کے لئے حرام قرار دیتے تھےاورانکے مردہی اسے پیا کرتے تھےاسی طرح جب کوئی بکری نر بچہ جنتی تو وہ ان کے مردوں کا ہوتا اوراگر بکری پیدا ہوتی تو وہ اسے ذبح کرتے یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ پھراللہ تعالٰی نے مسلمانوں کوایسا کرنے سے منع فرمادیا۔''(205)

زمانہ جاہلیت میں عورت کو ہتک عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار کیا جاتا تھا لڑکی کو اپنے لئے باعث شرم سمجھا جاتا تھا یعنی لڑکی کی صورت میں ان کی عزت معاشرے میں کم ہونے کا اندیشہ تھا۔اس کیفیت نے ان کو پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا کہ وہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑ دیتے انسانیت کی تذلیل اور انسان کشی کی یہ کیفیت شاید ہی تاریخ کے کسی دور ملتی ہو۔قران حکیم نے اس کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

''وَيَجۡعَلُونَ لِلّٰهِ الۡبَنَاتِ سُبۡحَنَهُ وَلَهُم مَّا يشۡتَهُونَ۔ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُم بِالاُنثَى ظَلَّ وَجۡهُهُ مُسۡوَدّاً وَهُوَ كَظِيم'' :اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں قرار دیتے تھے اس کی ذات پاک ہے اور ان کے لئے وہ کچھ جس کی وہ خواہش کرتے ہیں اور جب ان میں سے کسی بچی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ میں گھٹتا جاتا ہے اس بری خبر کی مار کی وجہ سے قوم میں چھپتا پھرتا ہے (سوچتا ہے کہ) آیا اب اسکو ذلت کی حالت میں لئے پھرے یا زندہ زمین میں گاڑ دے۔خوب سن تو ان کی یہ تجویز بہت بری ہے''۔(206)

ابتدائی مرحلے میں قرآن کی مخاطب عرب سوسائٹی تھی۔لہذا قرآن نے ان کی موجودہ ذہنی کیفیات اور خواتین کے حوالے سے ان کے طرز عمل پر تنقید کی اور مذمت کی۔عرب میں دور جہالت میں خواتین کا کیا حشر ہوتا تھا اس کا مزید تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

دور جاہلیت میں عرب معاشرہ اور خواتین:

''جب ہم نے رومی اور یونانی تہذیبوں کا مطالعہ کیا کہ وہاں پر تہذیب

اور تمدن کے سوتے ابلتے تھے لیکن وہاں بھی خواتین ذلت اور پستی سے ہمکنار تھیں۔ ''تہذیب و تمدن کے ان مراکز میں جب اس صنف نازک کی مظلومیت اور بیچارگی کا یہ حال تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تمدن نا آشنا عرب میں وہ کس درجہ بے کس و بے بسی رہی ہوگی۔''(207)

اس معاشرے میں خواتین کی حالت یہ تھی:

''اہل عرب عورت کے وجود کو موجب ذلت و عار سمجھتے تھے لڑکی کی پیدائش ان کے لئے غم واندوہ کا پیام تھی۔ وہ نرینہ اولاد پر اتراتے اور فخر کرتے لیکن لڑکیوں کا وجود ان کے سر عظمت کو جھکا دیتا۔''(208)

جاہلیت کے دور میں عورتوں کی بے وقعتی اور بے حیثیتی کی اس کیفیت کو حضرت عمرؓ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''والله ان كنا فى الجاهلية ما نعدالنساء امرا حتى انزل الله فيهن ما انزل و قسم لهن ما قسم: قسم بخدا ہم دور جہالیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لئے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔''(209)

اس معاشرے میں بیٹی کی پیدائش عار سمجھی جاتی تھی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زمین میں دفن کرنے کا رواج تھا۔ اس لئے قران کا ارشاد ہے:

''وَاِذَا الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ – بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت: اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم میں اسے قتل کیا گیا''۔(210)

عرب معاشرہ میں خواتین کو زندہ درگور کرنے کے یہ واقعات ان شخصیات کے ہاتھوں ہوتے تھے جو محبت شفقت کا پیکر خیال کیا جاتی تھیں ۔ باپ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں زندہ زمین میں دفن کر کے مٹی ڈال دیتا۔

دور جہالیت کے ایسے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں کہ جن کو سن اور پڑھ کر روح کانپ جاتی ہے کہ اس مظلوم ہستی ''عورت'' پر مرد نے ظلم کی ساری حدوں کو پھلانگ دیا۔ایک شخص نے نبیؐ کو اپنے جاہلیت کے زمانہ کا واقعہ سنایا کہ:

''میری ایک بچی تھی اور وہ مجھ سے بہت مانوس بھی تھی جب کبھی میں اسے بلاتا تو بڑی مسرت سے میرے پاس آجاتی چنانچہ ایک دن میں نے اسے آواز دی تو وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی آئی میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور قریب کے ایک کنوئیں میں جھونک دیا اور وہ اس وقت ابا جان ابا جان ہی کہتی رہی ، واقعہ سن کر نبیؐ کی آنکھیں اشک بار ہوئیں یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔''(211)

''ابن کثیر نے حضرت قیس بن عاصمؓ کا قصہ نقل کیا ہے کہ:

'' قیس بن عاصمؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں اپنی بیٹیوں کو زمانہ جہالیت میں زندہ گاڑ دیا تھا آپؐ نے فرمایا کہ ہر بیٹی کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو۔انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ میں بہت سے اونٹوں کا مالک ہوں آپؐ نے فرمایا تو ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ قربانی دو۔''(212)

دور جاہلیت میں خواتین کو ذلت کا سبب سمجھا جاتا تھا۔ پیدائش کے بعد اس سے

فوراً چھٹکارا پانے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن اگر وہ موت سے کسی طرح بچ جائے تو پھر دیگر فرسودہ رسومات کی بھینٹ چڑھ کر تا حیات ذلت ورسوائی اور غلامی میں گزارنے پر مجبور کر دی جاتی تھی۔

''گویا عورت کی حیثیت قربانی کے دنبے کی سی تھی کہ اگر وہ زندہ دفن ہونے سے بچ گئی تو رسومات اور گمراہ رستوں کی تقلید کی چکی میں پستی رہے گی ۔ وہ کسی سامان کی طرح بکتی رہے گی وراثت میں بٹتی رہے گی۔''(213)

زمانہ جاہلیت میں جہاں عورت کو نفرت اور بیزاری کا نشان بنایا گیا وہاں مردوں نے اپنی مفاد پرستانہ روش کے تحت عورت کو اپنی ہوس کے لئے بھی بے تحاشہ استعمال کیا:

''زمانہ جہالیت میں عورت کی شادی کے چند مختلف طریقے رائج تھے عورت اس وقت محض مرد کے استعمال کے لئے رکھ دی گئی تھی کوئی مرد اس کی شخصیت کی رغبت کے باعث اسے نہیں دیکھتا تھا (بلکہ محض جنسی تسکین کے لئے دیکھا کرتا تھا)۔''(214)

عرب معاشرے کا دستور تھا کہ عام طور پر مرد کئی کئی شادیاں کرتا اور خواتین کو اپنی ملکیت سمجھتا اور ان کی حیثیت مال ومتاع کی طرح ہوتی تھی۔

''اس مظلوم صنف کو بھی وہ زندہ بھی رکھتے تو اس کے تمام حقوق زندگی سلب کر لیتے شادی کی کوئی حد نہیں تھی جتنی عورتوں کو چاہتے اپنے نکاح میں رکھ لیتے ۔ وھب اسدیؓ نے جس وقت اسلام قبول کیا تو ان کے عقد میں دس بیویاں تھیں ۔ غیلان ثقفی مسلمان ہوئے تو ان پاس دس بیویاں

تھیں''۔(215)

زمانہ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقے مردوں نے اس انداز سے وضع کئے ہوئے تھے کہ ہر حال میں وہ عورت کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے اور پھر اسے اپنا مطیع اور غلام بھی بنا کر رکھتے۔اس کی مجبوریوں سے خوب فائدہ اٹھاتے اور اس کو بے دست و پا بنا کر ذلت کی گہرائیوں سے ہمکنار کر دیتے زمانہ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے معروف مفکر'' عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی''رقم طراز ہیں:

1: زواج البعولۃ:

یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔اس میں یہ تھا کہ مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا مالک ہوتا۔بعولت (خاوند ہوتا) سے مراد مرد کا ''عورتیں جمع کرنا'' ہوتا تھا اس میں عورت کی حیثیت عام مال ومتاع (سامان) جیسی تھی۔

2: زواج البدل:

بدلے کی شادی اس سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا نہ اس کے قبول کرنے ،مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی ،بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصر سی مجلس میں یہ سب کچھ طے پا یا جاتا (اس سے بڑی عورت کی تذلیل کیا ہوگی؟)

3: نکاح متعہ:

یہ نکاح بغیر خطبہ تقریب اور گواہوں کے ہوتا بس عورت اور مرد آپس میں کسی

ایک مدت مقررہ تک ایک خاص مہر پر متفق ہو جاتے اور مدت پوری ہوتے ہی نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا طلاق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔اوراس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی اسے باپ کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔

4: نکاح الخذن:

دوستی کی شادی اس میں مرد کسی عورت کو اپنے گھر بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے رکھ لیتا اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا اور باہمی رضامندی سے نکاح جاری رہتا اور باہمی رضامندی سے ختم ہو جاتا کسی قسم کی طلاق کی ضرورت نہ تھی اگر اولاد پیدا ہو جاتی تو وہ ماں کی طرف سے منسوب ہوتی۔ یہ طریقہ بعینہ وہ طریقہ ہے جو آج کل مغربی معاشرے میں جاری وساری رہتا ہے۔

5: نکاح اضعینہۃ:

یہ وہ نکاح تھا کہ جنگ کے بعد مال اور قیدی ہاتھ لگنے اور جاہلیت میں فتح کے لئے مفتوح کی عورتیں، مال وغیرہ سب مباح تھا یہ عورتیں فاتح کی ملکیت ہو جاتیں۔ اور وہ چاہتا تو انہیں بیچ دیتا یا یونہی چھوڑ دیتا اور چاہتا تو ان سے مباشرت کرتا اور چاہتا تو کسی دوسرے شخص کو تحفہ دے دیتا۔صبح سے شام تک ایک آزاد عورت غلام بن کر بک جاتی اور یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس نکاح میں کسی خطبہ، مہر یا ایجاب وقبول کی ضرورت نہ تھی۔

6: نکاح شغار:

وٹے سٹے کی شادی، یہ وہ نکاح تھا کہ ایک شخص اپنی زیر سرپرستی رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی (بیٹی، بہن وغیرہ) سے اس کی

شادی کرائے گا۔اسمیں مہر بھی مقرر کرنا ضروری نہ تھا۔

7: نکاح الا استبضاع:

فائدہ اٹھانے کے لئے مہیا کرنے کا نکاح: مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے بھیج دیتا اور خود اس سے الگ رہتا تا کہ اس کی نسل خوبصورت پیدا ہو اور جب اس کو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے شوہر کے پاس آجاتی۔

8: نکاح الرہط:

اجتماعی نکاح: اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً دس آدمی ایک ہی عورت کے لئے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کیا کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو یہ ان سب کو بلواتی اور بغیر کسی پس وپیش کے آجاتے پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس شخص کو اس سے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

9: نکاح البغایا:

فاحشہ عورتوں سے تعلق: یہ بھی نکاح رہط سے ملتا جلتا ہے مگر اس میں دو فرق ہیں۔ایک تو یہ کہ اسمیں دس آدمیوں سے زیادہ افراد بھی ہو سکتے ہیں نکاح رہط میں دس سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔دوسرے یہ کہ ان مردوں سے بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا (اسے وہ قیافہ شناس سے طے کراتے تھے)۔''(216)

مذکورہ بالا نکاح کے طریقوں سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ دور جاہلیت میں

مردوں نے کس طرح عورت کو مال ومتاع کی حیثیت دے کر اسے استعمال کیا۔اور اس کا برے طریقے سے استحصال کیا۔تاریخ گواہ ہے کہ مردوں نے نت نئے انداز سے استحصال کے ایسے ہتھکنڈوں میں جکڑے رکھا کہ اس کی شخصیت،عزت وناموس اور مقام کی کوئی حیثیت معاشرے میں نہ رہی۔دور جاہلیت میں یہی ہوتا رہا عورت کو جہاں نکاح کے مختلف وضع کردہ طریقوں سے اپنے حظ نفس کے لئے استعمال میں لاتے لیکن جہاں یہ نہ ہوتا اس مجبور و بے کس عورت کو مال وزر کی ہوس کے تحت بھینٹ چڑھایا جاتا۔اور باقاعدہ زبردستی اس سے زنا کروایا جاتا تھا۔عبداللہ بن محفوظ حامی لکھتے ہیں کہ:

''زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں زنا کا بھی اقرار بھی کیا کرتے تھے اور زنا عربی معاشرے میں بڑے پیمانے پر عام تھا بلکہ بہت سے لوگ عورت کو زنا پر مجبور بھی کیا کرتے تھے۔''(217)

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ:

''عبداللہ بن ابی سلول اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا تا کہ مال کمائے اوران کے ذریعے اپنی بڑائی حاصل کرے۔''(218)

زمانہ جاہلیت میں جہاں عورت کو نکاح کے نام پر مختلف طریقوں سے اپنا مطیع بنایا جاتا تھا۔وہاں اسے بلا عذر چھوڑ دینے میں بھی کوئی عار نہ تھی۔یعنی کیفیت یہ تھی کہ عورت کو ایک شئے مصرف کے طور پر جب چاہتے اپنے ساتھ رکھتے اور جب چاہتے اس کو طلاق دے دیتے۔سید جلال الدین عمری طلاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسی طرح طلاق پر کوئی پابندی نہیں تھی۔مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ

چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا اس طرح وہ زندگی بھر اپنی بیوی کو دق کر سکتا تھا۔''(219)

موصوف عرب معاشرے کے ایک شخص کی مثال سے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک شخص کے متعلق روایت آتی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو پریشان کرنا چاہا تو اس سے کہا کہ میں نہ تو تجھے اپنے ساتھ رکھوں گا اور نہ جدا کروں گا۔ بیوی نے دریافت کیا وہ کیسے؟ کہا اس طرح کہ طلاق دونگا اور جب عدت ختم ہونے لگے گی رجوع کرلونگا پھر دوبارہ طلاق دونگا اور پھر عدت کا زمانہ پورا ہونے سے پہلے رجوع کرلونگا۔''(220)

عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی طلاق کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''زمانہ جاہلیت میں عورت کو بغیر کسی ضابطے اور اصول و قیود کے طلاق دی جاتی تھی۔ مرد جب جس وقت اور جسے چاہتا طلاق دے سکتا تھا اور جب چاہتا اسے واپس زوجیت میں لوٹا لے اسے جس وقت چاہتا رجوع کر کے لے آتا۔ طلاق کی ان کے نزدیک کوئی مقدار متعین نہ تھی۔''(221)

دور جاہلیت عورت کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر پیش کرتا تھا۔ جہاں خود عورت مال و متاع کی طرح مردوں کی ملکیت ہو وہاں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کو بھی اپنی ذاتی ملکیت رکھنے کا بھی حق ہوگا:

''زمانہ جاہلیت میں عورت کو کسی چیز کی مالک بننے کا حق حاصل نہ تھا۔ عورتوں کو کسی چیز کی وراثت نہ ملتی تھی صرف مردوں کو وارث بننے کا حق

حاصل تھا اس پر انکی دلیل یہ تھی کہ وہ ہتھیار اٹھاتے ہیں قبیلوں کا دفاع کرتے ہیں اوراس معاشرے میں عورتوں کو محض میراث سے محروم کرنے پر اکتفاء نہ کیا جاتا بلکہ وہ عورت کو بھی وراثت میں سامان کی طرح بانٹ دیتے تھے۔''(222)

استحصال کی حالت یہ تھی کہ:

''بیوہ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے اسے دوبارہ ازدواجی زندگی ہی سے محروم کر دیتے بعض اوقات کسی کم سن لڑکے کے بڑے ہونے تک اس کا نکاح روکے رکھتے تاکہ وہ اس سے شادی کر سکے۔''(223)

''اگر اتفاق سے کوئی حسین وجمیل اور صاحب ثروت یتیم لڑکی کسی شخص کی سرپرستی میں آجاتی تو خود ہی اس سے نکاح کر لیتا اور مہر بھی ٹھیک سے ادا نہ کرتا۔''(224)

''اہل مدینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ جب کسی کا دوست مرجاتا تو ان میں سے کوئی اس کی عورت پر کپڑا اڈال دیتا اوراس کے نکاح کا وارث بن جاتا اس کے علاوہ کوئی اس سے شادی نہ کرسکتا تھا۔ وہ اسی کے پاس محبوس رہتی تاوقتیکہ وہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا نہ لے۔ اس کے علاوہ ان میں سے کوئی شخص مرتا تو جو شخص مرحوم کے مال کا وارث ہوتا اوراسے روکے رکھتا حتیٰ کہ اس کا وارث بن جاتا یا اس کا اپنی مرضی سے نکاح کرا دیتا۔''(225)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت کھل کر بے نقاب ہوتی ہے کہ دور جاہلیت

میں عورت کا حال یہ تھا کہ وہ ہر طرح کی وراثت سے محروم تھی۔ مردوں کی ملکیت میں منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ وہ خود ایک متاع کی صورت اختیار کر چکی تھی لہذا اس کی اپنی ذاتی ملکیت اور شخص کا کوئی تصور تک موجود نہ تھا:

> ''اگر گنتی کی چند عورتیں ایسی بھی تھیں جنہیں مالک بننے کا حق ملا اور وہ جائیداد کی مالک تھیں جیسے نبی کریمؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ۔ یہ اپنی تجارت کی بھی مالک تھیں لیکن یہ انفرادی واقعہ ہے۔ قاعدہ نامہ نہیں۔''(226)

خلاصہ کلام:

دور جاہلیت میں عرب معاشرہ بھی عورت بے زار معاشرہ تھا۔ مردوں کی روایتی ہوس پرستی اور حاکمیت کا تصور پوری آب و تاب سے قائم تھا عورت کو باعث عار و ذلت سمجھا جاتا اس کی پیدائش کو منحوس گھڑی اور جس گھر میں پیدا ہو اس کو منحوس گھر کہا جاتا وہی باپ جو شفقت اور محبت کا سرچشمہ ہوتا ہے اپنے ہاتھوں سے ان معصوموں کو زندہ دفن کرتا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مرد اپنی قوت، اقتدار اور طاقت کے بل بوتے پر اس بے کس عورت کو ظلم اور بربریت کی انتہاؤں میں لے گیا۔ اس کی زندگی اور موت کو ایسے قاعدوں، ضابطوں اور رسوم رواج، مذہبی عقائد و تصورات کے ذریعے اپنی مٹھی میں رکھا کہ عورت کسمپرسی اور بدترین غلامی کی عبرت ناک تصویر بن کر رہ گئی۔ عرب معاشرہ کا گذشتہ صفحات میں جائزہ لیا گیا تو یہی صورت نظر آئی کہ:

عورت کی حیثیت ومقام:

☆ مال ومتاع سے زیادہ نہ تھی۔

☆ وراثت کے حقوق سے محروم تھی۔

☆ ہر پہلو سے مرد کی حاکمیت اور بالادستی میں محصور ومحبوس تھی۔

☆ معاشرے میں ذلت وعار کی علامت تھی۔

☆ ہوس رانی کا ذریعہ بنا کر مال وزر پیدا کیا جاتا تھا۔

☆ نکاح وطلاق کے تمام دستور وضابطے اس کو مرد کے بے رحمانہ اور مفاد پرستانہ چنگل سے نہ نکلنے دیتے تھے۔

☆ اس کا وجود اس حد تک باعث ذلت تھا کہ زندہ درگور کی جاتی اور اگر بچ جاتی تو تاحیات فرسودہ اور ظالمانہ رسومات کی بھینٹ چڑھتی تھی لب لباب یہ ہے کہ گذشتہ ہزاروں سال سے انسانی معاشرے میں عورت کا جو حشر رہا اس کا تسلسل قائم و دائم رہا اور حوا کی یہ بیٹی مردوں کے رحم وکرم پر جسم وروح کے رشتہ کو ظلم و جبر اور اذیت کی فضاء میں قائم رکھنے کی تگ ودو میں مصروف رہی۔

باب دوم:
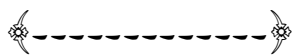
سماجی ومعاشی زندگی میں خواتین کی شرکت اور اسلامی نقطہ نظر

۱۔ خواتین کی معاشی جدوجہد قرآن حکیم کی روشنی میں:

گذشتہ باب میں اسلام سے پہلے کے مذاہب اور دور جاہلیت کے حالات کا جائزہ لیا گیا جس میں ہر دور کے حوالے سے یہ صورتحال سامنے آئی کہ خواتین کی سماجی حوالے سے شراکت داری نہ ہونے کے برابر تھی اس کا استحصال ہر سطح پہ جاری تھا، لیکن اسلام نے ان تمام نظریات اور رسومات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور انسانیت کو اس حقیقت کی طرف بلایا جس کی بنیاد پہ انسانوں کو بلا کسی جنسی تفریق کے ایک وحدت میں پرویا گیا۔ اسلام نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے، اور ایسے فطری اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جنہیں اختیار کر کے انسانی معاشرے تہذیبی، تمدنی اعتبار سے ارتقاء کے اگلے مراحل سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

انسانی سماج چونکہ مرد اور عورت کے وجود پہ مشتمل ہے، ان دونوں کے وجود کی بقاء اور ترقی ہی بحیثیت مجموعی انسانی سماج کی ترقی اور بقاء ہے۔ لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام خاص طور پہ عورت کی حیثیت اور معاشرے کی معاشی وسماجی ترقی میں کردار کو کس حد تک تسلیم کرتا ہے اور اس کی ترقی میں عورت کے کردار کو کس حد تک

اہمیت دیتا ہے۔

دین اسلام کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے کو فطری تقاضوں کی روشنی میں ارتقاء کے اصول فراہم کرتا ہے، لہذا وہ معاشرتی ترقی میں چاہے اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو کسی طرح کے جنسی امتیاز کو روا نہیں رکھتا۔ اس نے تو عورت اور مرد دونوں کو سماجی زندگی میں مساوی مقام دیا ہے، دونوں کے لئے ترقی کی راہیں یکساں طور پہ متعین کی ہیں، دونوں کو تعلیم وتعلم، اجتماعی زندگی کے تمام امور میں انہیں یکساں ذمہ دار قرار اور حق دار قرار دیا ہے۔ اور ہر طرح کے قبائلی اور علاقائی رجحانات کو اپنا کر انسانی حقوق کی کسی بھی خلاف ورزی کو جائز قرار نہیں دیتا۔ معاشرتی زندگی میں اسلام مرد وخواتین کو برابر حقوق عطا کرتا ہے اس حوالے سے قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ: عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں''۔(227)

درج بالا آیت کریمہ پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر رفیع اللہ شہاب تحریر کرتے ہیں:

''ان حقوق کی وجہ سے عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ کام کاج کی غرض سے گھر سے باہر جا سکتی ہے اور کاروبار زندگی میں حصہ لے سکتی ہے اس سلسلے میں مردوں کو یہ تاکید گئی ہے کہ جو مسلمان عورتیں کام کاج کے لئے گھروں سے باہر نکلیں انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔''(228)

معاشرے کی تمدنی ترقی کے لئے محنت کرنا ایک فطری عمل ہے جو انسانوں کے لئے ضروری ہے مرد ہو یا عورت دونوں کی برابر ذمہ داری ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے چاہے وہ معاشیات اقتصادیات کا میدان ہے یا کوئی اور

شعبہ۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت اور مرد دونوں کو اپنے فائدے اور مقصد کے لئے عمل اور کوشش کرنیکی اجازت دی ہے اب خواتین اگر اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے ملازمت اختیار کرتی ہیں جو کہ جائز طریقے سے ان کی کفالت کا ذریعہ ہے تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے قرآن حکیم ایک اصول عطا کرتا ہے کہ:

''وَاَن لَّیْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعَیٰ :اور نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جس کی وہ محنت کرے''۔(229)

اور عمل کی افادیت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَیَرَیٰ اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُولُهُ وَ الْمُؤْمِنُونَ: اور کہہ دیجئے کہ عمل کرو، تو اللہ تعالیٰ کا رسول اور مومن عنقریب تمہارا عمل دیکھیں گے''۔(230)

درج بالا آیت قرآنی میں انسان کو مخاطب کیا گیا ہے اس میں مرد یا عورت کی تخصیص نہیں کی گئی، اور نہ ہی اس آیت میں کسی خاص شعبے کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی ایک انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی وہ جدوجہد کرے گا۔ اس اصول کی بنیاد پہ خواتین کی سماجی زندگی کی ہر طرح کی جدوجہد اور محنت اور معاشی تگ و دو کے بارے میں واضح دلیل ہے کہ خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں عملی جدوجہد کرسکتی ہیں اور اگر وہ جدوجہد نہیں کریں گی تو ان کو صلے کی بھی امید نہ رکھی جائے فطری بات ہے کہ اگر مرد حضرات عمل کر رہے ہیں اور مختلف شعبوں میں کام کر کے نام اور مال کما رہے ہیں اور ان کا صلہ پا رہے ہیں۔ لیکن اگر خواتین یہ جدوجہد نہیں کرتیں یا انہیں کسی وجہ سے اس جدوجہد میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تو لازمی بات ہے وہ ان فطری نتائج سے محروم رہیں گی، جو ان کا حق ہے اور جس کے بغیر وہ کسی صلے کی مستحق نہیں ہوسکتیں۔

کاروباری زندگی کے معاملات میں لین دین کا ریکارڈ رکھنا اور گواہ بنانا یہ ایک کامیاب کاروبار کے اصولوں میں سے ایک ہے قرآن حکیم اس سلسلے میں خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۚ وَاِن تَفْعَلُوا فَاِنَّهٗ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوااللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيم'' : اور گواہ کرلو جب خرید وفروخت کا معاملہ کرو اور لکھنے والے اور گواہ کو ضرر نہ دیا جائے اگر تم ایسا کرو تو تمہارا شوق ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے''۔(231)

اس آیت کریمہ میں خطاب صرف مردوں کو نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بھی ہے کہ وہ اپنے کاروباری معاملات اور خرید وفروخت میں باقاعدہ گواہ بنالیں اور ان تمام امور کا ریکارڈ رکھیں گویا حکم قرآنی کی روشنی میں خواتین کاروبار کے معاملات خرید وفروخت کر سکتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ آزاد حیثیت کی حامل ہیں۔

قرآن حکیم انسانی معاشرے میں زندگی کی دوڑ میں مردوں اور عورتوں کو یکساں مواقع فراہم کرتا ہے حصول رزق و مال ودولت کا حصول ہو یا اخلاقی ارتقاء کی جدوجہد ہوں قرآن حکیم نے ہر صنف کے لئے یکساں اور مساوی راہیں متعین کی ہیں اور اس سلسلے میں کسی امتیاز کو روا نہیں رکھا۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''لِّلرِّجَالِ نَصِيب'' مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيب'' مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْئَلُوا اللّٰه مِن فَضْلِهِ ۚ: مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور (دونوں) اللہ سے اسکا فضل مانگو''۔(232)

درج بالا آیت کریمہ یہ وضاحت کرتی ہے کہ مالیات کے میدان میں عورتیں بھی مردوں کی طرح دوڑ دھوپ کر سکتی ہیں۔ اور مختلف پیشے اختیار کر کے مال و دولت کما سکتی ہیں اور ان کی جو کمائی ہوگی وہ اسی طرح ان کے تصرف اور ملکیت میں ہوگی جس طرح مردوں کے اموال اور کمائی ان کی ملکیت اور تصرف میں ہوتی ہے قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں خواتین کے اس معاشی حق کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس کی کمائی پر کسی اور کے کسی بھی طرح کے تصرف کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ گویا خواتین اقتصادیات کے میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں مردوں کے ساتھ برابر کا حق رکھتی ہیں۔

قرآن حکیم کے اساسی اقتصادی نظریات یہ ہیں کہ خالق کائنات نے تمام مال و دولت پیدا کی اور انسانوں کو حق انتقاع دیا ہے لہذا قرآن کا ارشاد ہے کہ:

''اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ: ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں اللہ نے تمہیں قائم مقام کیا''۔(233)

پھر ارشاد ہوتا ہے:

''يَاَ يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه وَ ذَرُوامَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ – فَاِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ وَاِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُ وسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ: اے ایمان والو اللہ اور سود کا مابقی چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر توبہ کر لو گے تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جسمیں نہ اوروں کا

نقصان نہ تمہارا نقصان‘‘۔(234)

مال کی ادائیگی کے لئے قرآن پاک کا ارشاد ملاحظہ ہو:

’’وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً ؕ :ورنماز قائم کرواورزکوٰۃ ادا کرواوراللہ کوقرض حسنہ دو‘‘۔(235)

قرآن حکیم کی درج بالا آیات جہاں خالق کائنات کی پیدا کی ہوئی اشیاء پر تصرف کی حقیقت کوواضح کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ مال کے حصول کے بعد اسے درست طریقے سے خرچ کرنے کی بھی تلقین کرتی ہیں اور خاص طور پر مال کے حصول کے لئے سودی کاروبار کی ممانعت کی ہے درج بالا احکامات مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہیں ظاہر ہے جب تک خواتین اور مرداموال کے مالک نہیں ہونگے۔ مال کے حصول کے لئے تجارت یا دیگر معاش کو ذریعہ نہ بنائیں گے تو زکوٰۃ اور دیگر اللہ کی راہ میں خرچ کہاں سے کریں گے۔

گویا قرآن حکیم کے یہ احکامات تمام مکلفین مرد اور عورتوں کے لئے برابر ہیں گویا یہ آیات خواتین کی معاشی جدوجہد اور حق ملکیت پر دلالت کرتی ہیں۔قرآن حکیم پر غور وفکر کرنے والے ذہن کو ایسی کئی آیات ملیں گی جن میں واضح طور پر خواتین کے حق ملکیت یا معاشی حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا اور یہ آیات خواتین کے حق ملکیت کا ثبوت پیش کرتی ہیں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

’’وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ:
(اور اے عورتوں)نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو‘‘۔(236)

''اس آیت کو دیکھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عورت کے پاس مال اس کی ملکیت ہوگا اور جب وہ نصاب زکوٰۃ تک پہنچے گا تو دیگر شرائط کے پائے جانے کے بعد عورت کو اس میں سے نکالنا واجب ہوگا۔''(237)

ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

''يَآَيُّهَاالَّذِينَ اَمَنُوٓا اَنفِقُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ : اے ایمان والو خرچ کرو اپنے پاک اموال سے جو تم نے کمائے''۔(238)

اس آیت کریمہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس آیت کے محاطب تمام مومنین ہیں ان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اور اس سلسلے میں کوئی تفریق نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جو انہوں نے اپنی محنت اور جدوجہد سے کمایا ہے۔

قرآن حکیم جہاں خواتین کو حلال کی کمائی کے لئے جدوجہد کا نظریہ دیتا ہے وہاں ایسے ناجائز پیشے جن کو اختیار کرنے سے ان کی عزت وعصمت پر حرف آئے یا اجتماعی معاشرے میں اخلاقی گراوٹیں پیدا ہونے کا خطرہ ہو اس سے ممانعت کی ہے کیونکہ:

''عرب جاہلیت کی تہذیب نے باقاعدہ زنا کے اڈے قائم کر رکھے تھے جہاں شہوت رانی کی تمام سہولتیں مہیا تھیں سرمایہ دار اپنی لونڈیوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنی عصمت کی قیمت سے ان کے حرص وآز کی بھوک مٹائیں۔''(239)

قرآن حکیم نے اس طرح کے پیشہ کو اختیار کرنے کی سختی سے ممانعت کی ---

ارشادالٰہی ہے:

''ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغآء ان اردن تحصّنا لّتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا:دنیوی زندگی کے (حقیر) سازوسامان حاصل کرنے کے لئے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگروہ عفت کی زندگی گذارنا چاہیں''۔(240)

دورجاہلیت میں حرام کاری کے پیشہ کے لئے لونڈیاں مخصوص تھیں اس لئے مذکورہ آیت میں ان کواس پیشہ سے باز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اسلام کسی کام کے کرنے والے کی شکل وصورت،حیثیت ومرتبہ اور خاندان وقبیلہ سے نہیں بلکہ کام کی نوعیت سے بحث کرتا ہے۔آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسی خواتین موجود ہیں جن کو معاشی تنگدستی کے نتیجے میں حرام پیشے اختیار کرنے پہ مجبور کیا جاتا ہے۔لہذا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کے اندرخواتین کوعزت واکرام دیا جائے اوراس کے لئے تعلیم وہنر کے ایسے موقع پیدا کئے جائیں تاکہ وہ غلط کاریوں کی بجائے جائز طریقے سے اپنی گذراوقات کرسکیں اور معاشرے کے اندر صحت مند ماحول اوراعلیٰ اخلاق والی نسل کے قیام کے لئے کردارادا کرسکیں۔

گذشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم مردوں اور خواتین دونوں کو تمدنی زندگی کے ارتقاء میں برابر شریک ہونے کا نظریہ دیتا ہے اوراس حوالے سے دونوں کو برابر حقوق عطا کرتا ہے۔قرآن حکیم عرب کے جس معاشرے سے مخاطب تھا وہ صنعتی اورٹیکنالوجی کے اعتبار سے اس طرح کا ترقی یافتہ نہ تھا جس طرح کا آج کا معاشرہ ہے۔لہٰذا قرآن حکیم نے عصری تقاضے کے مطابق فطری اصولی ہدایات فراہم کیں ہیں جو بدلتے ہوئے ظاہری سماجی ومعاشی ڈھانچوں کے باوجود قابل عمل ہیں۔

قرآن حکیم فطرت کے آفاقی اصولوں کے مطابق معاشرے کو پروان چڑھانے کے اصول مہیا کرتا ہے ان فطری اصولوں کی روشنی میں عصری تقاضوں اور تغیر پزیر حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قوانین وضع کرنا یہ فقہا کی ذمہ داری ہے۔ خواتین کی ملازمت کے مسئلے کے حوالے سے بھی قرآن حکیم کی اساسی فکر اور روح سے رہنمائی لے کر آج کے دور کے صنعتی اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء سے دوچار معاشرے کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کی جاسکتی ہے اور خواتین کے لئے نئے اقتصادی نظاموں میں اس طرح کا سیٹ اپ بنایا جاسکتا ہے جس کے ذریعے ان کی معاشی خود کفالت اور استحکام بھی ہو سکے اور انہیں ہر طرح کا سماجی تحفظ بھی حاصل ہو سکے اور خواتین قرآن کی اصل روح کے مطابق آزادی اور خودمختاری کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

۲: خواتین کی معاشی جدوجہد حدیث نبویؐ کی روشنی میں:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں استوار معاشرے میں خواتین تمدنی زندگی کے ارتقاء میں بھرپور کردار کرنے میں مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہوتی ہیں اسلام نے عورتوں کی جدوجہد کو فقط علمی اور فکری حدود میں بند نہیں کیا بلکہ اسے عملی میدانوں میں جدوجہد کی وسعت پزیر فضا مہیا کی ہے اسے یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ صنعت، تجارت اور زراعت وغیرہ کے میدانوں میں ترقی کرسکتی ہے اس کو مختلف پیشے اور ملازمتیں اختیار کرنی اور قومی خدمات انجام دینے کی مکمل اجازت دی گئی ہے اسلام کے اولین معاشرے میں اس کی مثال موجود ہے آنحضرتؐ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہاں خواتین کو دور جہالیت کی رسومات اور جمود سے نکال کر انہیں مردوں کے ساتھ قومی، ملی تعمیر وترقی میں برابر شرکت کے لئے تیار کیا۔ انہیں اعتماد، مستقل مزاجی اور مختلف فنون میں مہارتیں حاصل کرنے کی آزادی عطا کی، آپؐ کے اقوال اور عمل اس کا ثبوت ہے۔

آپؐ نے خواتین کو معاشرے میں اجتماعی سرگرمیوں سے دور رکھنے کی بجائے انہیں اس میں شمولیت کے لئے تیار کیا اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ:

''رسول اللہؐ عبادہ بن صامتؓ کی بیوی ام حرامؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے ام حرامؓ نے وجہ مسرت دریافت کی تو بتایا کہ خواب میں مجھے میری امت کے وہ بلند مرتبہ افراد دکھائے گئے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کا سفر کریں گے۔ جس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تخت پر متمکن ہونگے ام حرامؓ نے حضورؐ سے درخواست کی دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں داخل فرمادے آپؐ نے اس سعادت مند گروہ میں ان کی شمولیت کی دعا کی پھر آپ لیٹ گئے اور دوبارہ اٹھے تو اس وقت بھی مسرت و شادمانی کے وہی آثار نمایاں تھے ام حرامؓ نے سبب معلوم کیا تو وہی پہلا سبب بتایا ام حرامؓ نے اس مرتبہ بھی دعا کی درخواست کی تو فرمایا پریشان کیوں ہو تمہارا شمار سابقین میں ہے۔''(241)

درج بالا واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

''غور کیجئے جہاد اور وہ بھی سمندر پار کر کے زندگی کا سب سے زیادہ صبر آزما اور ایثار قربانی کا طالب عمل اسمیں عورت کی شرکت کی حضورؐ دعا فرما رہے ہیں حالانکہ جہاد اس پر فرض نہیں ہے اس سے اسلام اور اس کے مزاج اور رجحان کا پتہ چلتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور اپنے دائرہ سے باہر کبھی کوئی کام انجام ہی نہ دے لیکن

یہ ایک حقیقت ہے کہ کامیاب سماجی جدوجہد جن صفات کا تقاضہ کرتی ہے مثلاً جفاکشی، سادگی اور استقلال وغیرہ فطری طور پر عورت کے اندر ان کی کمی ہوتی ہے اور یہ صفات پیدا بھی اس وقت ہوتی ہیں جب کہ انسان کو مخالف قوتوں سے تصادم اور کشمکش کرنی پڑے لیکن چونکہ عائلی زندگی سے تعلق کی بناء پر کشمکش سے دور رہتی ہے اس لئے مشکل ہی سے اس کے اندر یہ صفات پیدا ہو پاتی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس گھر کی پرسکون زندگی اس کے اندر بڑی آسانی سے تکلیف وتصنع، عیش و راحت نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی خصوصیات ابھار دیتی ہے۔ اسلام نے کوشش کی ہے کہ یہ مذموم صفات اس کے اندر راہ نہ پانے پائیں اور وہ اس قابل ہو سکے کہ زندگی کے شدائد کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکے چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے اس کو پرمشقت اور سادہ زندگی کی تعلیم دی ہے۔"(242)

آپ ﷺ خواتین کو مستعد اور پرمشقت زندگی کی طرف راغب کرتے ہیں گویا نفسیاتی طور پر خواتین کی ذہن سازی کی جارہی ہے کہ وہ نازک اندام اور انتہائی کمزور صنف نہیں بلکہ وہ پرمشقت کام کر کے تمدنی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں لہذا اس بنیاد پر خواتین کو یہ نظریہ ملتا ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اس دوران ان کو مشکلات بھی پیش آئیں تو اس کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کریں اور یہ ثابت کریں کہ وہ گھر کی چار دیواری میں قید، نازک اندام اور کمزور مخلوق نہیں ہیں جنہیں سماجی زندگی سے کاٹ دیا گیا ہے۔

ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں گھر سے جانے کے مسئلے پر احادیث مبارکہ اور

آپ ؐ کا عمل رہنمائی کرتا ہے کہ آپ ؐ نے اجتماعی بہبود کے امور اور اپنی کفالت کے لئے روزی کمانے کے لئے گھر سے باہر جا کر کام کرنے کو منع نہیں فرمایا بلکہ باقاعدہ اس کی اجازت دی ہے اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش خدمت ہے:

''جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کے شوہر نے طلاق دے دی طلاق کے بعد ان کو عدت کے دن گھر ہی میں گزارنے چاہئے تھے لیکن انہوں نے عدت کے دوران ہی اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹے (اور فروخت کرنے) کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا (کہ اس مدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں) یہ حضورؐ اکرم کی خدمت میں استفسار کے لئے گئیں تو آپؐ نے جواب دیا:

اخرجی فجدی نحلك لعلك ان تصد فی منه او تفعلی خیرا ---

کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو (اور فروخت کرو) اس رقم سے بہت ممکن ہے تو صدقہ وخیرات یا کوئی بھلائی کا کام کرسکو (اس طرح یہ تمہارے لئے اجر آخرت کا سبب ہوگا)۔''(243)

ان الفاظ کے ذریعے آپؐ نے معاشیات کی بہتری کے لئے گھر سے نکلنے کی اجازت دی اور ساتھ ساتھ یہ ترغیب دی کہ وہ جائز کمائی جو محنت سے حاصل کی جائے اس کو اجتماعی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے گویا بہبود انسانیت کے لئے معاشی عمل کی اجازت دے کر خواتین کے لئے میدان عمل میں آنے کی راہیں کھول دیں۔

آپؐ نے خواتین کو بیرون خانہ عملی سرگرمیوں کی اجازت دی اس سلسلے میں ایک اور روایت پیش خدمت ہے:

''حضرت عائشہؓ احکام حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو باہر دیکھ کر تنقید کی تو وہ (خاموشی سے) گھر واپس چلی آئیں اور حضورؐ سے اس کا تزکرہ کیا اس کے فوراً بعد آپؐ پر نزول وحی کی سی کیفیت طاری ہوگئی جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: انه اذن لکم فنجر لحا جتکن — بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔''(244)

آپؐ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہاں خواتین کو صنعت وتجارت، زراعت کے پیشوں کو اختیار کرنے کی ممانعت نہ تھی کئی صحابیاتؓ نے ان پیشوں کو اختیار کیا ہوا تھا مثلاً صنعت وحرفت میں خواتین کی شمولیت کے حوالے سے یہ روایت مشہور ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی صنعت وحرفت سے واقف تھیں اسکے ذریعہ اپنے اور اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: انی امرء اة ذات صنعته ابیع منہا ولیس لی ولا لزوجی ولا لولدی شئیی - میں ایک کاریگر عورت چیزیں تیار کرکے فروخت کرتی ہوں (اس طرح میں تو کما سکتی ہوں لیکن) میرے شوہر اور بچوں (کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس لئے) ان کے پاس کچھ نہیں---اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کرسکتی ہیں آپؐ نے جواب دیا ہاں، تم کو اس کا اجر ملے گا۔''(245)

عصر حاضر میں اس روایت کی روشنی میں یہ ہدایت ملتی ہے کہ خواتین اپنے مردوں کے ساتھ مل کر یا اگر وہ ذریعہ آمدنی نہ رکھتے ہوں کی کفالت اور بچوں کی کفالت کے لئے ملازمت یا کاریگری، ہنرمندی یا صنعتوں میں کسی بھی قسم کا کام کر

سکتی ہیں اسی طرح زراعت کے شعبے میں بھی حضورؐ کے دور میں خواتین بھرپور کام کر رہی تھیں اور آپؐ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں اجازت دی کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی آمدنی بڑھا سکتی ہیں:

''سہل بن سعدؓ ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں جن کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں جمعہ کے دن سہل بن سعدؓ اور بعض دیگر صحابہؓ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلاتیں حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی اسماء اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ حضرت زبیرؓ سے میرا بیاہ ہو چکا تھا لیکن ان کے پاس ایک پانی لادنے والے اور اونٹ اور گھوڑے کے سواء نہ تو کسی قسم کا کوئی مال تھا نہ خادم اور نہ کوئی دوسری چیز میں خود ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور اس کا ڈول بھرتی (گھر کا م کاج بھی مجھ ہی کو کرنا پڑتا چنانچہ) مجھے خود ہی آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا پڑتی میں روٹی اچھی نہیں پکا سکتی تھی پڑوس میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں جو اپنی دوستی میں بڑی مخلص ثابت ہوئیں وہ میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں رسولؐ نے حضرت زبیرؓ کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھی تھی میں اس زمین سے کھجور کی گھٹلیوں کی ٹوکری لئے آ رہی تھی کہ راستہ میں رسولؐ سے ملاقات ہوگئی۔ آپؐ نے مجھے بلایا تا کہ اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لیں لیکن چونکہ آپکے ساتھ انصار کے بعض افراد بھی تھے اسلئے مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوئی ساتھ ہی حضرت زبیرؓ بھی یاد آ گئے کہ وہ انتہائی غیور انسان ہیں اس کو پسند نہیں کرینگے چنانچہ میں پس وپیش کرنے

لگی تو حضور نے بھانپ لیا اور آگے بڑھ گئے۔''(246)

محنت مزدوری کرنے کے حوالے سے آپؐ کے دور میں ''عورتیں روزی کمانے کے لئے سبزی بھی گھر گھر جا کر بیچتی تھیں۔''

''روایات کے مطابق بعض کتابوں سے ایسے شواہد بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلم عورتیں گھر کے امور کے علاوہ بھی گھر سے باہر کام کرتی تھیں اور اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔''(247)

خواتین آپؐ کے زمانے میں نہ صرف اپنی کفالت کے لئے معاشی امور انجام دیتی تھیں بلکہ اپنے شوہروں کی کفالت بھی کرتی تھیں:

''ابن سعدؒ نے ایک ایسا ہی واقعہ اور بھی درج کیا ہے جس سے معلوم ہوتا کہ عورتیں اس وقت مردوں کی کفالت بھی کر سکتی تھیں۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ خولہ بنت ثعلبہؓ سے ان کے شوہر نے جذبات میں آکر کہہ دیا آج سے تمہاری حیثیت میری نظر میں میری ماں جیسی ہے بعد میں دونوں اس بارے میں حکم دریافت کرنے آنحضرت کے پاس گئے اس وقت تک اس مسئلہ سے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا آنحضرتؐ نے اس بارے میں شوہر سے کہا کہ جب تک کوئی حکم اس بارے میں ملے تم بیوی سے الگ رہو یہ سن لو کر خولہ بنت ثعلبہؓ نے کہا یا رسولؐ ان کے پاس تو کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے میں ہی ان کی کفالت کرتی ہوں۔''(248)

خواتین تجارت میں بھی حصہ دار تھیں آپؐ نہ صرف ان کی ہمت افزائی کرنے

بلکہ انہیں خرید وفروخت اور تجارتی وکاروباری معاملات کے حوالے سے مسائل بھی بتاتے کہ بہتر اور جائز منافع بخش کاروبار کو کیسے مستحکم کیا جا سکتا ہے۔اس حوالے سے ایک روایت ہے کہ:

''قیلہؓ نامی ایک صحابیہ نے نبیؐ سے عرض کیا:''انی امرء اة ابیع دو اشتریٰ''میں ایک ایسی عورت ہوں جو مختلف چیزوں کو بیچتی اور خریدتی رہتی ہوں۔(یعنی تاجر ہوں)اور پھر آپ سے خرید وفروخت سے متعلق مسائل دریافت کیے۔''(249)

لہٰذا عصر حاضر میں بھی خواتین امپورٹ ایکسپورٹ یا دیگر جدید تجارتی شعبہ جات میں کام کر سکتی ہیں لیکن ساتھ ساتھ ان کو یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق حلال اور جائز طریقہ تجارت وکاروبار کو ملحوظ خاطر رکھیں اور اس سلسلے میں ایسے علماء اکرام سے یا ماہرین سے مشورہ ضرور لیں جو کہ شریعت کا علم عصری تقاضوں کی مناسبت سے رکھتے ہوں اور عصری مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کر سکتے ہوں۔

عصر حاضر میں فنون لطیفہ،ادب،شاعری جیسے شعبہ جات بھی باقاعدہ صنعت کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔اور معاشی حوالے سے ان شعبہ جات کی کافی اہمیت ہے اور ان شعبوں میں باقاعدہ ملازمتوں کا سلسلہ قائم ہے آپؐ کے دور میں کئی خواتین اس دور کے تقاضوں کے مطابق ان شعبہ جات سے منسلک رہی ہیں اگر چہ ان کی نوعیت معاشی حوالوں سے آج سے مختلف تھی لیکن آنحضرتؐ نے انکی ان کاوشوں پر کبھی قدغن نہیں لگائی ذیل میں ان خواتین کا تذکرہ پیش خدمت ہے جنہوں نے مختلف شعبوں میں طبع آزمائی کی اور نام کمایا۔

ادیب، شاعرہ اور کاتب خواتین:

''اروی بنت عبدالمطلب آنحضرتؐ کی پھوپھی شاعرہ تھیں، حسناء بنت عمرو السلمیہ سے آپ شعر سنا کرتے تھے اور ان کی مہارت پر تعجب فرماتے۔ زینب بن العوامؓ حضرت زبیرؓ کی بہن بھی شاعرہ تھیں، شیما بنت حارثؓ آپؐ کی رضاعی بہن تھیں یہ بچپن میں آپ کے لئے شعر پڑھا کرتی تھیں۔

حضرت اسما بنت یزید بن سکن کے بارے میں حافظ نے کہا ہے یہ خطیبۃ انساء مشہور تھیں حضرت حفصہ اپنے ہاتھ سے تعلیمات رسول لکھا کرتی تھیں اور چند خواتین معلم و متعلم ہونے کی حیثیت سے مشہور ہوئیں فاطمہ بنت الحطاب حضرت عمرؓ کی بہن تھیں انہیں حضرت جناب نے سورہ طہٰ سکھائی شفاء بنت عبداللہ عدویہ نے حضرت حفصہ کو کتابت سکھائی ان کو تعلیمات رسول لکھنا سکھائی۔''(250)

میڈیکل کے شعبے کی ماہر خواتین:

''زینب، بنو داؤد کی معالج تھیں یہ طب کو جاننے والی خاتون تھیں، آنکھ کی بیماریوں کے علاج پر دسترس رکھتی تھیں زینب مشہور طبیبہ تھیں جن کا عرب کی تاریخ میں تذکرہ ہے کہ یہ اندرونی بیماریوں اور جراحت کی ماہر تھیں۔ ام الحسنین بنت قاضی ابو جعفر طنخالی، یہ خاتون طب کے ساتھ ساتھ دیگر علوم پر بھی دسترس رکھتی تھیں مگر زیادہ شہرت طبیبہ ہونے کے حوالے سے ملی۔

بہت سی ایسی خواتین ہیں انسانی خدمت میں جنکا نام مشہور ہے جنہوں نے رفاقت نبویؐ ان کے غزوات میں طبیب کے فرائض انجام دیئے آپؐ ان کے لئے پرامن جگہوں، قلعوں وغیرہ میں انتظام فرماتے جہاں یہ مسلمانوں کے زخمیوں کا علاج کرتیں۔''(251)

اجتماعی امور خواتین کی شمولیت:

حضرت انسؓ کی ایک روایت پیش خدمت ہے:

''حدثنا ابو معمر حدثنا عبدالوارث حدثنا عبد العزيز عن انس قال لما كان يوم احد انهزم الناس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ولقد رايت عآئشته بنت ابى بكر و ام سليم و النهما لمشمر تا ن آرىٰ خدم سو قهما تنقزان القرب و قال تنقلان القرب علىٰ متو بهما ثم تفر غانه فى افواه القوم لم ترجعان فتملانها ثم تجئيان فتفر نما نها فى افواه القوم ''(252)

ترجمہ: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جب جنگ احد میں لوگ نبی کریمؐ سے دور ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ اور حضرت ام سلیمؓ کہ دونوں نے اپنے دامن سمیٹتے ہوئے ہیں اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا۔ دونوں اپنی پیٹھ پر پانی کی مشک لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتی تھیں۔ پھر لوٹ جاتیں اور مشکیزے بھر کر لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتیں۔

خواتین گھر کی چار دیواری سے نکل کر معاشرے کی بہبود اور تحفظ کے لئے مردوں کے شانہ بشانہ مختلف امور میں اپنی خدمات پیش کرتی رہیں آپؐ نے ان کی تعریف کی اس حوالے سے احادیث کی کتب میں کئی روایات درج ہیں۔ جہاد میں حصہ لینے کے حوالے سے مزید روایات حسب ذیل ہیں:

''حدثنا على بن عبدالله حدثنا بشر بن الفضل حدثنا

خالد ابن ذکو ان عن الربیع بنت معوذ قالت مع النبی صلی الله علیه وسلم نسقی ونداوی الجر حیٰ و نرد القتلیٰ الی المدینه ''(253)

ترجمہ: ربیع بن معوذؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریمؐ کے ساتھ تھے پیاسوں کو پانی پلاتے ، زخمیوں کی مرھم پٹی کرتے اور شہداء کو اٹھا کر مدینہ منورہ پہنچاتے تھے۔

ایک اور روایت ہے:

''حدثنا مسدد حدثنا ثنا بشر بن المفضل عن خالد بن ذکو ان عن الر بیع بنت معود قالت کنا نغزو و مع النبی صلی الله علیه وسلم فنسقی القوم و ننحر مهم و نرد الجرحیٰ و القتلیٰ الی المدینه''(254)

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذؓ نے فرمایا ہے کہ نبی کریمؐ کے ہمراہ جہاد میں جاتے تھے۔قوم کو پانی پلاتے ،ان کی خدمات کرتے نیز ، زخمیوں اور قتل ہو جانے والوں کو مدینہ منورہ پہنچاتے تھے۔

جنگی امور، مرہم پٹی وغیرہ جیسے کام کے حوالے سے عہد رسالت میں خواتین کی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں رہنمائی کے حوالے سے مظہر الدین صدیقی اظہار خیال کرتے ہیں:

''تاریخ اسلام میں عورتوں کا جنگ میں شرکت کرنا ، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا ، پانی پلانا ، چرخہ کاٹنا ، تیر اٹھا کر دینا ، قبر کھودنا اور فوج کو ہمت دلانا ثابت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جب کہ جنگ کی

نوعیت تبدیل ہوگئی ہے اور اس کے لئے کافی عرصہ پہلے سے قوموں کو تیاری کرنی پڑتی ہے مسلمان کیونکر قومی دفاع کے کاموں اور متعلقہ صنعتی مشاغل میں حصہ لے سکتی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ زمانہ حال میں جنگ کے لئے کم ازکم چند سال پہلے سے آبادی کو تیار کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ وقت آنے پر قومی دفاع کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں اسی طرح جنگی صنعتوں کو بھی ترقی دینی پڑتی ہے اور ان کے لئے کارکنوں اور صناعوں کی تربیت کا ایک وسیع خاکہ بنا کر تیار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے تحت صنعتی مدارس دفاعی تربیت گاہیں طبی امداد کی تعلیم اور دیگر قسم کی فنی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا پڑتا ہے عہد رسالت میں چونکہ تہذیب و تمدن کی وسعت اور پیچیدگی کا یہ حال نہیں تھا اور عورتیں بغیر کسی قبل ازقبل تیاری کے ان کاموں میں حصہ لے سکتی تھیں اس لئے جدید طرز کی جنگی اور دفاعی تربیت میں عورتوں کے حصہ لینے کا ذکر روایتوں میں نہیں آتا ہے اگر زمانہ رسالت میں بھی جنگیں اسی پیمانہ پر لڑی جاتیں جیسے آجکل اور ان کے لئے اسی درجہ میں فنی مہارت اور تربیت کی ضرورت ہوا کرتی تو یہ امر یقینی تھا کہ آنحضرتؐ عورتوں کو حکم دیتے کہ وہ کارخانوں، تعلیم گاہوں اور تربیت گھروں میں جا کر قومی اور مذہبی دفاع کے لئے تیار ہوں لہذا اس زمانہ میں عورتوں کا ان کاموں میں شرکت کرنا نہ صرف قابل اعتراض نہیں بلکہ اسلامی احکام کی رو سے ضروری ہے۔''(255)

آپؐ نے خواتین کی عملی کاوشوں کے دوران نہ صرف ان کی مدد واعانت فرمائی بلکہ ہر مقام پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی آپؐ نے ان خواتین کو خراج تحسین پیش کیا جو

اپنے اپنے دور میں زندگی کے مختلف معاملات میں اپنی محنت، اخلاص اور کاوشوں سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئیں آپ کے ارشادات گرامی سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ جو حسب ذیل ہیں:

''عن ابی موسیٰ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النسآء الا اٰسیته امرء اة فرعون و مریم بنت عمران و ان فضل عآئشه علیٰ النسآء کفضل الثرید علی سآئر الطعام''۔(256)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ مردوں میں سے تو کامل انسان بہت ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے سواء کامل کوئی نہیں ہوئی عائشہ صدیقہؓ کو تمام عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔

''قال سمعت عبدالله بن جعفر قال سمعت علیاً رضی الله عنه یقول سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول خیر نسآء ھا مریم بنت عمران و خیر نسا ئھا خدیجه''۔(257)

ترجمہ: حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریمؐ کو فرماتے سنا اپنے وقت کی بہترین عورت مریم بنت عمران تھیں اور اپنے وقت کی بہترین عورت خدیجہؓ ہیں۔

آپ کے اس طرز عمل پر کہ آپؐ نے بعض خواتین جن میں ازواج مطہرات بھی

شامل تھیں ان کی تعریف لیکن علماء یہ کہتے ہیں کہ:

''آنحضرت کی ازواج مطہرات اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے امت کی افضل ترین خواتین تھیں اگر اسلام میں سیاست وحکومت، معیشت واقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون پر ڈالنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خواتین اس ذمہ داری کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی تھیں جب قرآن کریم نے ان کو ایسی ذمہ داریاں لینے سے منع کر کے انہیں صرف گھر کی حد تک محدود رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ جس وجہ سے ازواج مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اس میں موجود نہیں ہے۔''(258)

درج بالا نکتہ نظر کا جواب تحریر کرتے ہوئے ایک عالم سرکار زینی جارچوی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں اس وقت کیونکر خدمات انجام دینے سے قاصر تھیں اور اس تناظر میں عصر حاضر کے تقاضوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ان کا بیان ملاحظہ ہو:

''ازواج مطہرات کی علمی وعملی صلاحیتوں سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کے امت کی افضل ترین خواتین ہونے سے انکار ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اگر سیاست، حکومت، معیشت اور اقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون کے سپرد کی جاتی تو ان مقدس خواتین ہی میں سے کسی کو یہ سپرد کی جاتی لیکن افسوس تو اسی بات کا ہے کہ جس دوران قرآن نازل ہو رہا تھا وہ نبوت تھی اور نبی کی ذات موجود تھی اسی طرح اس دوران نہ کوئی معاشیات کا

محکمہ تھا اور نہ اقتصادیات کا پھر قران کس چیز کی ذمہ داری کس خاتون کے سپرد کرنے کا حکم دیتا اس وقت جو امور معاشرے میں جاری تھے ان میں عورت شریک رہی مثلاً تجارت، نماز کی امامت، جنگوں میں شریک، یتیموں کی سرپرستی قرآن نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ حکومت، سیاست، معاشیات اور اقتصادیات کی کوئی ذمہ داری آئندہ ضرورت پڑنے پر بھی عورت کے سپرد نہ کی جائے اس لئے ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس وقت اس کی ضرورت ہی نہ تھی مگر آج ضرورت ہے جو شخص اس کا اہل ہو خواہ مرد، خواہ عورت یہ ذمہ داری اسی کے سپرد ہونی چاہیئے ہم یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ آنخضرتؐ کے زمانہ میں معاشی و معاشرتی ضرورت کی بہت سی ذمہ داریاں آنخضرتؐ نے اس کی اہل عورتوں کے سپرد کی ہیں۔''(259)

برصغیر کے نامور ترقی پسند عالم دین مولانا عبیداللہ سندھی قرآن وحدیث کے اسی فکر کی روشنی میں خواتین کی معاشرتی حیثیت کے حوالے سے ان کو اہم مقام دینے کی تاکید کرتے ہیں۔ ہے۔ان کا کہنا تھا:

''شادی کرو اور بیوی کو برابر کا رفیق اور مساوی مرتبے کا ساتھی سمجھو''۔(260)

ان کا کہنا تھا کہ خواتین کو گھریلو سطح پہ عزت اور اہمیت نہ دینے کی وجہ سے بڑے گہرے اثرات معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے، اب کا کہنا تھا :

''ہمارے ہاں یہ ہوا کہ ہم نے بیویوں کو اپنا محکوم بنایا اور انہیں ذلیل سمجھا۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں کی فضا محکومی اور ذلت سے آلودہ ہوگئی ہم اس فضا میں سانس لیتے ہیں اور ہمارے بچے اس میں پلتے

ہیں۔ چنانچہ ہماری اس گھریلو زندگی کا اثر ہمارے گھر سے باہر پوری زندگی پر پڑا۔ جس طرح ہم نے گھر کے اندر اپنی عورتوں کو محکوم اور ذلیل سمجھا، اسی طرح ہم گھر کے باہر خود بھی ذہناً، طبعاً اور اخلاقی لحاظ سے محکوم اور ذلیل ہو گئے۔ ہماری اولاد اس سانچے میں ڈھلتی چلی گئی سچ پوچھو! ہماری موجودہ قومی پستی، جمود، بے ضمیری اور عدم اثبات و استقامت بہت حد تک ہماری اسی گھریلو زندگی کی وجہ سے ہے۔ اب اگر ہمیں آزاد ہونا ہے اور اس دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کیا پنے اندر ہمت پیدا کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے اندر عزت نفس اور رفاقت کا شعور پیدا کریں۔''(261)

مولانا عبیداللہ سندھی ایک ایسے معاشرے کو اسلامی معاشرے کے قریب سمجھتے تھے جہاں خواتین کو مساوی حقوق حاصل ہوں مرد اس کو اپنی زندگی کا ساتھی سمجھے اور انفرادی اور اجتماعی امور میں اس کی رائے کو اہمیت دے، اس سے مشاورت کرے اور اس کی رائے کو اہمیت دے، پھر جب اولاد ہو تو بچوں اور بچیوں میں کسی قسم کی تفریق کو نہ پیدا ہونے دے۔

چونکہ آج کا دور جمہوری نظام کا دور ہے لہذا اجتماعی معاملات میں خواتین کا حصہ بغیر سیاسی نظام میں شمولیت کے نہیں ہوسکتا۔ لہذا وہ اپنے سیاسی تحریک کے منشور میں یہ شق شامل کرتے ہیں کہ:

''ہر مرد اور عورت کا مساوی حق ماننا اور جمہوری نظام پر فوقیت دینا''(262)

یعنی ایک جمہوری نظام اور معاشرے کی تشکیل میں مرد وخواتین کا کردار مساوی ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ ان کا کہنا تھا کہ دور جدید میں خواتین کو ترقی یافتہ مما لک کے

طرز پہ تعلیم و تربیت کا اہتمام کر کے انہیں قومی ترقی میں شامل کرنا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''ترقی یافتہ یورپ کی صنائع کو اپنے ملک میں پیدا کرنے کے لئے اور وطن کی خدمت اور حفاظت میں مرد و عورت کو جواں مردی سکھلانے کے لئے یورپین معاشرت اختیار کرنا۔''(263)

یہاں یورپی معاشرت سے مراد جدید سائنس اور ٹیکنالوجی اور دیگر شعبہ جات جن کا تعلق سیاسی و معاشی نظاموں سے ہے کے علوم کو سیکھ کر عملی طور پر قومی دھارے میں مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کر سکے۔ اگر اس پہلو کی مزید وضاحت کی جائے تو اس سے مراد یہ ہے کہ خواتین اکنامکس کا علم اور مہارتیں سیکھ کر معاشیات و اقتصادیات کے تمام شعبوں میں کام کر سکتی ہیں، سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر کے سائنسدان بن سکتی ہیں ڈاکٹر، پائلٹ بن سکتی ہیں، خلانورد بن سکتی ہیں۔ اسی طرح فوجی علوم و تربیت کے ذریعے خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خواتین معاشرتی ترقی میں جسمانی و دماغی خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا جا سکتا۔

گذشتہ تجزیے سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ خواتین کے گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر معاشی و اقتصادی ضرورتوں کے لئے معاشرے میں کام کاج کرنا، کاروبار کرنا، محنت و مزدوری کرنا اقوال رسولؐ اور سیرت رسولؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ان تمام خواتین کی نہ صرف اعانت و مدد کی بلکہ انہیں تجارت و کاروبار، لین دین کے معاملات و مسائل سمجھائے اور ان کی ہر پہلو پر حوصلہ افزائی فرمائی۔

لیکن یہ پہلو مدنظر رہے کہ آپؐ کے زمانے کے تقاضے اور تھے معاشیات و اقتصادیات کا جو نظام رائج تھا اس میں اس دور کے تقاضوں اور طریقہ کار کے مطابق خواتین نے حصہ لیا اور مال و روزی کمانے کے مختلف طریقے اختیار کئے اگر آپؐ کے

زمانے میں صنعتی نظام ہوتا کارخانے ملیں ہوتیں تو یقیناً خواتین ان میں کام کرتیں بہرحال آپ کے اقوال وسیرت اساسی طور پرخواتین کی ملازمت وکاروبار کرنے کی ممانعت نہیں کرتی بلکہ حوصلہ افزائی کرتی ہے جس طرح آپؐ کے زمانہ میں خواتین زراعت،صنعت وحرفت،تجارت،وغیرہ سے منسلک تھیں اسی طرح عصری تقاضوں کے مطابق آج بھی خواتین ان شعبوں میں کام کرنے میں آزاد ہیں۔

اب یہ مرد حضرات کوغور کرنا چاہئے کہ اپنی بچیوں، بیٹیوں اور ازواج کی تعلیم وتربیت اس انداز سے کریں کہ وہ معاشی حوالے سے کسی کی محتاج نہ ہوں اورانفرادی اورقومی ترقی میں بہترین کردارادا کرسکیں، ان کے اندرخوداعتمادی، ہنرمندی، اعلیٰ تعلیم اورجسمانی پختگی پیدا کرنے کی ازحدضرورت ہےاس سے یہ ہوگا کہ وہ واقعی مرد حضرات کی ساتھی ہوں گی اور ہرطرح سےان کا ہاتھ بٹانے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوں گی۔ اور جب مرد وعورت دونوں معاشی جدو جہد کریں گےتو ان کا خاندان خوشحال ہوگا،اپنے بچوں کواچھی تعلیم،خوراک،لباس اورگھر مہیا کرنے کے قابل ہوں گے۔اور ان کی نسلیں قومی ترقی میں بہترین کردار ادا کریں گی۔اس حوالے سے مردوں پہ یہ زیادہ زمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خواتین کی ہمت افزائی کریں،اورایسی خواتین جو یہ سمجھتی ہیں کہ انہیں اس طرح کی جدو جہد کا دین اسلام اجازت نہیں دیتا ان کوبھی اسلامی تعلیمات کواچھی طرح مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑی ہوسکیں اوراس طرح کا مزاج اورفکر معاشرے سےختم ہو سکے جس کی بنیاد پہ بچیوں کی ایسی تربیت کی جاتی ہے کہ وہ شروع ہی سے کمزورحیثیت کی حقدار بن جاتی ہیں۔

باب سوم:

عصر حاضر میں خواتین کی
سماجی اور معاشی صورتحال کا جائزہ

۱: مشرقی ومغربی معاشرے میں عورت کے استحصال کی نوعیتیں:

دنیا بھر کے اخبارات و الیکٹرانک میڈیا عورتوں پہ مظالم کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں، یہ وہ واقعات ہیں جو رپورٹ ہوتے ہیں، ایسے لاتعداد واقعات اور سانحات ہو رہے ہیں جو میڈیا کی رسائی سے دور ہیں، ایسے ایسے مظالم ڈھائے جاتے ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے ان واقعات سے ایسا لگتا ہے کہ عورت کی عزت، عصمت اور جان کی کوئی اہمیت نہیں۔

پسماندہ معاشروں میں سے ایک ہمارا معاشرہ بھی ہے جہاں حالت یہ ہے کہ عام زندگی کے معاملات ہوں یا زندگی کے اہم فیصلہ جات ہوں، عورت کی رائے مرد کی رائے کے مقابلے میں اپنی حیثیت کھو دیتی ہے، انہیں کسی سماجی، سیاسی اور معاشی شعبے یا ادارے میں کسی قسم کا قائدانہ کردار کی نہ تو اجازت ہے اور نہ ہی مناسب مواقع۔

بیٹی کی پیدائش ہوتے ہی سارا خاندان فکر مند ہو جاتا ہے، عدم تحفظ کا احساس ہمہ وقت بیٹی کے ساتھ منسوب رکھا جاتا ہے، بیٹی کو اول دن سے خوف اور دباؤ کے ایک ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جہاں وہ اپنے آپکو مردوں کے مقابلے میں کم

صلاحیت، کم حوصلہ اور کم طاقت ور سمجھتی ہے، اسے نفسیاتی اور جسمانی طور پہ اس قدر کمزور کر دیا جاتا ہے کہ خوف اور کم ہمتی کے سائے ہمیشہ اس کا پیچھا کرتے ہیں، معاشی، تعلیمی سہولیات اور حقوق کے حوالے سے بیٹا اور بیٹی میں فرق معاشرے میں عام ہے، زندگی کا ہر شعبہ اور ادارہ مردوں کے رحم و کرم پہ چلتا ہے۔ نام نہاد غیرت، شادی، طلاق، گھر کے نام پہ عورت کو ناکردہ گناہوں کی اس طرح سزائیں سنائی جاتی ہیں کہ وہ عمر بھر سسک سسک کر گذارتی ہے، یا موت کو گلے لگا دیتی ہے۔ اس سارے ظالمانہ، غیر منصفانہ اور جاہلانہ کردار کو تحفظ دینے کے لئے بہت سے جواز گھڑے جاتے ہیں۔

یہ تو حالات وہ ہیں جو ہم جیسے پسماندہ معاشروں کے ہیں۔ جہاں اکثریت ان پڑھ اور جاہل ہے۔ ہم نام کے مسلمان ہیں، جس دین نے عورت کو ماں، بیٹی اور بہن کے رشتے کو مقدس بنایا، جس نے یہ اعلان کیا کہ تم میں سے کسی کو فوقیت اگر ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پہ نہ کہ کسی اور امتیازی تفریق کی بنیاد پہ۔ آج ہم اسی دین کے نام لیوا اپنے معاشرے میں خواتین کا وہی حال کر رہے ہیں جو دور جہالت میں کیا جاتا تھا۔

اس وقت دنیا میں ایک دوسرا معاشرہ بھی ہے جو زرعی دور سے نکل کر اس وقت صنعتی اور کمپیوٹر ایج میں پہنچ چکا ہے یعنی یورپ اور امریکی معاشرہ اس کے ہاں عورت کی حالت اگرچہ کہ پسماندہ معاشروں سے کچھ مختلف ہے عورتوں کو کاروبار، ملازمت، پراپرٹی کی ملکیت کی اجازت ہے۔ لیکن عملی طور پہ معاشرے میں انہیں مردوں کی اجارہ داری کی وجہ سے کافی مشکلات اٹھانی پڑتی ہیں، زندگی کے مختلف شعبوں میں انہیں آزادانہ کام کرنے کی اجازت اور سہولت ہے لیکن امتیازی سلوک سے پھر بھی گذرنا پڑتا ہے، مردوں سے عدم تحفظ کا احساس ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ امور مملکت میں بھی

آگے بڑھنے اور مختلف عہدوں پہ براجمان ہونے کی اجازت ہے لیکن وہ شاذ و نادر ہی انتہائی اعلیٰ عہدوں پہ پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

اگر یورپ کی ترقی و کمال میں عورت کے کردار کا تجزیہ کیا جائے تو تخلیقی و قائدانہ کردار کم اور ایک حظ نفس کی تسکین کا ذریعہ اور سرمایہ کے حصول کے لئے آلہ کار کا کردار زیادہ نظر آتا ہے، عورت کو زیادہ سے زیادہ سرمائے کے حصول کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے، اس کے لئے انہوں نے جدید خطوط پہ استوار جامع حکمت عملی اپنائی ہے۔

یورپ نے کیوں کہ مذہب کو ریاست سے جدا کر دیا ہے، لہذا جو مذہبی نظریات تھے کے عورت کو جسم ڈھانپنا چاہئے، جس کی مثالیں ہمیں پرانے یورپین معاشرے میں نظر آتی ہیں، جہاں عورتیں جسم کو ڈھانپ کر رکھتی تھیں، اگر چہ کہ پرانے دور میں عورت کا جسم تو ڈھانپا ہوتا تھا لیکن اس کی سماجی حیثیت وہی غلامانہ ہی تھی، دور جدید میں مذہب کو ریاست سے الگ بھی مردوں نے کیا اور اب ایک نیا کردار عورت کو دینے کے لئے انہوں نے اسے ننگا کر دیا۔

ترقی پسندی اور لبرل ازم کے نام پہ بچیوں کو شروع دن سے ہی بیٹوں کے مقابلے میں کم کپڑے پہنانے کی تربیت دی جاتی ہے۔اس طرح کے مناظر آج یورپ اور امریکہ میں نظر آتے ہیں، کوئی کھیل کا لباس ہو یا عام زندگی کا لباس عورت کے لئے اس کے اعضاء کو ننگا رکھنے کا مزاج بنا دیا گیا۔اب بچی کو ایک طرف تو امتیازی قوانین کا سامنا ہے، مردوں کی اجارہ داری کے اس معاشرے میں اسے ویسے بھی عدم تحفظ کے احساس کے ساتھ جینا پڑتا ہے، اب اس پہ مزید یہ کر دیا گیا کہ وہ آدھی ننگی ہو کر معاشرے میں مردوں کے سامنے گھومے، مرد اپنی پنڈلیاں اور پیٹ چھپا کر رکھتا ہے اور عورت کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اگر تو نے اپنے آپ کو چھپایا تو یہ تیری آزادی

کے خلاف ہے۔ ایسے قوانین بنا دیئے جس کے تحت عورت کو کم سے کم کپڑے پہننے کی اجازت دے دی، بظاہر اس سے عورت کی آزادی کا کوئی تعلق نہیں ہے، اگر وہ پورے کپڑے پہنے گی تو کیا وہ ''غلام'' ہو جائے گی یا غلام نظر آئے گی، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آدھے کپڑے پہننے کی تحریک اور قوانین بھی مرد نے بنائے اور آج اسی بنیاد پہ آزادی اور غلامی کے تصورات بھی مرد کے ہی بنائے ہوئے تصورات کا مجموعہ ہے، اس ضمن میں کہیں بھی عورت نے جدو جہد نہیں کی کہ وہ آدھے کپڑے پہن کر اپنی آزادی کو محفوظ بنانا چاہتی ہے۔

میں یہاں لباس کی بحث اس لئے کر رہی ہوں کہ اس کے پیچھے ان سرمایہ داروں کے وہ مقاصد ہیں جو اس وقت وہ پورے کر رہے ہیں، انہوں نے عورت کو ایک طرف ننگا کر دیا اور پھر اسے کمرشل جنس کے طور پہ استعمال کیا۔

آج تمام جدید انڈسٹری چاہے اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو، اس میں اس شعبے کی تخلیق، اس شعبے کی قیادت، اس شعبے کی پالیسی میں شاید عورت کو اتنا دخل دینے کی اجازت اور مواقع نہ ہوں جتنا ان شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مصنوعات کو بیچنے، ان کی مارکیٹنگ کرنے کے لئے عورت کا کردار متعین ہے۔

عورت کو مصنوعات کی مشہوری کے لئے اس طرح سے استعمال کیا جاتا ہے، کہ اس میں اور اس بازاری جنس میں کوئی فرق نہیں رہتا، یقیناً بحیثیت انسان ہونے کے یہ عورت کے لئے باعث ذلت و تحقیر ہے۔

مذکورہ بالا دونوں معاشروں میں ایک قدر مشترک ہے کہ یہ دونوں معاشرے عورت کو اس کا جائز مقام دینے سے قاصر ہیں، ایک عورت کی مذہب، قانون، اور سماج کے نام پہ جاہلانہ روایات کے تحت تذلیل کر رہا ہے اور اسے اس کے بنیادی

انسانی حق سے محروم رکھ رہا ہے تو دوسرا معاشرہ اسے سرمایہ اور اپنی نفسانی ہوس پرستی کے لئے ایک آلے کے طور پہ استعمال کر رہا ہے۔

ہمارے ہاں لبرل ازم اور ترقی پسندی، اور حقوق نسواں کے حوالے سے چلنے والی تحریکات جن کے تانے بانے ان ہی سرمایہ دار ممالک سے ملتے ہیں وہ ہمارے جیسے ممالک میں عورت کے استحصال کو بنیاد بنا کر حقوق نسواں کی تحریکات چلواتے ہیں، اس پہ لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں، اور ان پسماندہ معاشروں میں یہ احساس پیدا کرتے ہیں کہ یہاں عورت کو غلام بنا کر رکھا گیا ہے، لہذا عورت کی آزادی کا وہ تصور ہی بہترین ہے جو اس وقت یورپ اور امریکہ میں رائج ہے، گھر کی چار دیواری سے نکلنے کی تحریک اس مقصد کے لئے نہیں ہوتی کہ عورت کو اس کے پاؤں پہ کھڑا کیا جائے بلکہ ان کی انڈسٹری میں لیبر کی کمی کو پورا کیا جا سکے، وہ عورت کو کم کپڑے پہنانے یعنی حجاب وغیرہ سے چھٹکارا اس لئے نہیں دلاتے ہیں کہ اس سے شاید اس کی آزادی بحال ہو جاتی ہے بلکہ اسے کھلے عام اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ چاہئے ہوتی ہے۔ سرمایہ دار نے فیشن انڈسٹری کے نام پہ عورت کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس میں اور اشیاء میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

اس طرح وہ ہمارے جیسے پسماندہ معاشروں میں سے اپنے لئے خواتین آلہ کاروں کی ایک فوج نکالتے ہیں اور انہیں اپنے سرمائے کی طاقت کے اضافے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور نام نہاد لبرل ازم، آزادی نسواں کے ناموں سے اپنے آپ کو حقوق انسانی کے چمپئین بھی کہتے ہیں۔ یعنی ''رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی'' انسانی تاریخ کا یہ المیہ کب ختم ہو گا کب عورت کو بھی انسان کی حیثیت سے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جنہیں مردوں کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ

طے ہے کہ جب تک عورتیں خود منظّم ہوکر اپنا حق ملکیت، حق قیادت، حق معیشت، حق سیاست نہیں لیتیں، مرد کبھی بھی انہیں اس تک نہیں پہنچنے دے گا۔ کیونکہ مردوں کی یہ دنیا، یہ سماج، یہ ڈھانچہ صدیوں کی محنت اور تفکرات سے بنایا گیا ہے اسے ختم کرنے یا اس کے اندر تبدیلی لانے کے لئے عورت کو بھی ایک طویل جدو جہد اور قربانی سے گذرنا پڑے گا۔

۲: رکاوٹوں کے باوجود دنیا بھر میں خواتین کا معاشی جدو جہد میں کردار:

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس دور کے اپنے تقاضے ہیں صنعتوں کا دوردورا ہے تجارت کی نوعیتیں گذشتہ زمانے کی نسبت تبدیل ہوکر رہ گئی ہیں تمدنی زندگی میں انقلابات رونماء ہو رہے ہیں۔ صنعتی نظام نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنے زیر اثر رکھا ہوا ہے ٹیکنالوجی کی اختراع نے مقابلے کی فضا پیدا کردی ہے اقوام کا مقابلہ اب ٹیکنالوجی کے میدان میں ہے اس مسابقت کے عمل میں وہی قومیں سرخرو ہو رہی ہیں جو اپنی افرادی قوت کو بہتر طریقے سے استعمال میں لا رہی ہیں صنعتی معاشرے کی اپنی ہئیت ہے اور اس کے تقاضے زرعی معاشرے سے یکسر مختلف ہیں اب صنعتوں میں کام کرنے کے لئے افراد کی زیادہ ضرورت ہے۔

اگر کسی ملک کی نصف آبادی کو اس عمل سے کاٹ کر رکھا جائے تو ملک کبھی بھی ترقی کے حوالے سے بام عروج پر نہیں پہنچ سکتا اس حوالے سے وقت کی ضرورت یہ ہے خواتین کی صلاحیتوں کو بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں آزمایا جائے، اور انہیں آزادی سے آگے بڑھنے کا موقع دیا جائے، خواتین کا ملک کی معاشی ترقی کے لئے کام کرنا ناگزیر ہے ایک طرف وہ معاشی استحکام اور خود کفالت حاصل کرسکتی ہیں اور دوسری طرف ملکی معیشت کی ترقی میں بھی کردار ادا کرسکتی۔

وقت اب بدل رہا ہے ایک زمانے میں صرف مرد کام کرتے تھے اور خواتین صرف گھر گرہستی سنبھالتی تھی لیکن اب سائنس اور ٹیکنالوجی نے نئی صنعتوں کو جنم دے کر خواتین کو بھی معاشرے کی معیشت میں حصہ دار بنانے کو ناگزیر بنادیا ہے۔

عصر حاضر میں خواتین کے حقوق کا شعور بڑھ رہا ہے تعلیمی حق کے حصول کے بعد اب وہ چاہتی ہیں کہ مختلف شعبوں میں بہترین کردار ادا کر کے انفرادی اور اجتماعی فائدے کے لئے کام کریں، یہی وجہ ہے کہ خواتین ملازمتوں کے حوالے سے مختلف شعبوں میں جدوجہد کر رہی ہیں۔ان میں دو طرح کی خواتین شامل ہیں ایک وہ جو اپنے خاندان کے نامساعد حالات کی وجہ سے اپنے کنبے کی کفالت اور اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانے کے لئے کام کرتی ہے۔اور دوسری وہ جو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے کام کرتی ہیں۔تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو معاشرے میں منواسکیں اور قومی معاشی ترقی میں کوئی کردار ادا کرسکیں۔

لیکن اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا عورت ہمیشہ مرد کی غلام نہیں تو محتاج ضرور رہی ہے:

> ''دونوں جنسوں نے بھی برابری پر دنیا میں حصہ نہیں لیا آج بھی عورت نہایت مجبور ہے تاہم اس کی حیثیت اب تبدیل ہونے لگی ہے۔تقریباً کسی بھی جگہ پر اس کی قانونی حیثیت مرد جیسی نہیں اور عموماً اس کا بہت نقصان ہوتا ہے۔اگر عورت کے حقوق قانون میں تسلیم شدہ ہوں تب بھی طویل عرصہ سے قائم رواج معاشرتی طور طریقوں میں ان حقوق کا اظہار نہیں ہونے دیتے معاشی میدان میں مرد اور عورتوں کو ایک لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ طبقے قرار دیا جا سکتا ہے تمام حالات مساوی ہونے کے

باوجود مرد بہتر ملازمتیں، زیادہ تنخواہ حاصل کر سکتے ہیں اور انہیں عورتوں کے مقابلے میں کامیابی کے زیادہ مواقع ملتے بھی ہیں ۔صنعت اور سیاست میں بڑے بڑے عہدے بھی مردوں کو حاصل ہیں اس سب کے علاوہ انہیں ایک روایتی وقار بھی ملتا ہے کیونکہ بچوں کو تعلیمی نصاب میں پڑھائی جانے والی تاریخ مردوں نے ہی بنائی ہے موجودہ دور میں عورتیں دنیا کے معاملات میں حصہ لینا شروع کر رہی ہیں لیکن یہ دنیا ابھی تک مردوں کی ہے۔''(264)

لیکن اس سب کے باوجود خواتین پوری دنیا میں مختلف شعبوں میں آگے بڑھ رہی ہیں اس وقت تجارتی میدان میں صورتحال یہ ہے کہ دنیا کے 188 مما لک میں سے 67 ملکوں میں 224 ملین خواتین تجارت یا کاروبار شروع کر چکی ہیں، اس کی تصدیق ورلڈ بینک کر چکا ہے۔(265)

خواتین کا پوری دنیا کی کاروباری وتجارتی زندگی میں بحثیت مالک کاروبار اور تاجر کے نہایت اہم حصہ اور کردار اس وقت موجود ہے۔اعداوشمار یہ بتاتے ہیں کہ ایسی کمپنیاں جن کے بورڈز آف ڈائرکٹرز میں خواتین ہیں ان کے مقابلے میں زیادہ بہتر کارکردگی دکھا رہی ہیں جن کے ہاں نہیں ہیں۔اور یہ بھی مثالیں موجود ہیں وہ کمپنیاں جن کے بورڈز آف ڈائرکٹرز میں خواتین ہوتی ہیں وہ برے اقتصادی حالات اور چیلنجز میں زیادہ بہتر توازن پیدا کرتی ہیں۔

یونیورسٹی آف لیڈز University of LEEDS کی ریسرچ کے مطابق جس کمپنی کے کارپوریٹ بورڈ میں کم از کم ایک خاتون ہو اس کمپنی کے دیوالیہ ہونے کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔اور اگر دو خواتین ہوں تو مزید کم ہو جاتے ہیں۔(266)

امریکہ کی ایک تحقیق کے مطابق خواتین تاجر 50 فیصد کم سرمایہ کے ساتھ 20 فیصد زیادہ منافع لاتی ہیں۔[267]

مزید یہ کہ امریکہ میں ایک چوتھائی کاروبار خواتین کی ملکیت ہے اور وہ 147.8 ملین ڈالر کی سیلز کی صورت میں امریکی معیشت کو دیتی ہیں۔[268]

اس وقت پوری دنیا میں خواتین کا رجحان چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار کی طرف زیادہ ہے، اس سے اگرچہ کہ ملازمتوں کے مواقع بھی بڑھ رہے ہیں اور قومی معیشتوں کو بھی فائدہ ہو رہا ہے۔ چھوٹی اور درمیانی انٹر پرائز Small Medium Enterprizes(SME) روایتی SME جن کا تعلق مارکیٹ سے ہے خواتین کی 38-31 فیصد ملکیت کو ظاہر کرتی ہیں۔[269] مثلاً یوگنڈا میں 38 فیصد، روانڈا میں 60 فیصد، اور لاؤ میں 68 فیصد خواتین اس طرح کے چھوٹے کاروبار سے منسلک ہیں۔[270]

تجارت کے ذریعے قومی معیشت میں خواتین کا منفرد حصہ ہے۔جیسا کہ 2010 میں خواتین کی ملکیت میں چھوٹے کاروبار کے تحت کینیڈا میں 86 فیصد ایکسپورٹ کیا اور 77 بلین ڈالر کا فائدہ ہوا۔اس کے علاوہ خواتین اور مردوں کے باہمی اشتراک سے چلنے والے چھوٹے کاروبار کا حصہ مزید 9 فیصد ہے۔[271]

اس کے علاوہ ساؤتھ افریقہ ڈیولپمنٹ کمیونٹی میں ممبر ممالک کے ساتھ خواتین کی کراس بارڈر تجارت 70 فیصد۔جس کا تخمینہ 4 بلین امریکی ڈالر ہے۔وہ کواتین جن کا تعلق غیر روایتی تجارت سے ہے GDP میں اہم حصہ ڈالتی ہیں۔مثال کے طور پہ بینن میں 64 فیصد، مالی میں 46 فیصد اور چاڈ میں 41 فیصد کا حصہ ہے۔[272]

خواتین اپنی محنت اور قابلیت کی بنا پر معاشی میدان میں کامیابی حاصل کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہیں، لیکن انہیں دیگر عوامل آگے بڑھنے سے روکتے ہیں، تجارت اور کاروبار کے حوالے سے خواتین کو جن رکاوٹوں کا سامنا ہے ان میں سب سے اہم امتیازی قوانین ہیں جن کی وجہ سے وہ معاشرے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاسکتیں۔

ورلڈ بینک کے سروے کے مطابق دنیا کی 143 معیشتوں میں 90 فیصد کی کم ازکم ایک پالیسی ہے جو خواتین کے حقوق کے حوالے سے فرق ظاہر کرتی ہے۔ 28 معیشتوں میں 10 اور اس سے زیادہ ایسی ہیں جو مرد و عورت کے حوالے سے قانونی تضادات رکھتی ہیں۔ یہ تجزیہ ورلڈ بینک کی طرف سے خواتین، کاروبار اور قانون کے عنوان سے کیا گیا۔ اس طرح کی محرومیاں پالیسی میں دیکھی گئیں جن میں جنسی امتیازات نظر آئے، مثلاً کاروبار کی رجسٹریشن، ملک سے باہر سفر کرنا، وراثتی اور مالکانہ زمین اور دیگر پیداواری اثاثوں کی ملکیت سے محرومی اور بینک اکاؤنٹ کھولنا۔ اس کی ایک مثال پاکستان اور کانگو کی ہے جہاں خواتین کاروبار اپنے نام پہ رجسٹر نہیں کرا سکتیں، مزید یہ کہ 15 ممالک ایسے ہیں جہاں خاوند کی مرضی کے بغیر خواتین ملازمت نہیں کرسکتیں۔ (273)

بہت سے ممالک ابھی تک ایسے ہیں جہاں خواتین کے حوالے سے جنسی امتیاز کے خلاف قانون سازی نہیں کی گئی۔ بہت سے ممالک نے قانون سازی تو کی لیکن وہ بھی جنسی ہراساں کرنے کو یا برابر تنخواہ جیسے معاملات کو جگہ نہیں دیتے جنہیں آئی ایل او کے کنونشن نمبر 100 کے تحت تحفظ حاصل ہے۔ (274)

مزید یہ کہ قانونی رکاوٹیں، جنسی و دقیانوسی خیالات جن کا تعلق قبائلی ڈھانچے

سے ہے جو کہ خواتین کو گھر میں رکھنے پہ زور دیتے ہیں بنسبت کام کے۔لہذا یہی وجہ ہے کہ خواتین چھوٹے بزنس پہ توجہ دیتی ہیں جو کہ وہ گھروں کے اندر رہ انجام دے سکتی ہیں۔لیکن چھوٹے کاروبار پہ توجہ مرکوز کرنے کی وجہ سے خاص طور پہ ملک کی سرمایہ کاری کی پابندیوں سے خواتین متاثر ہوتی ہیں اور معاشی اتار چڑھاؤ یا معاشی مندی کا بہت جلد شکار ہو جاتی ہیں۔(275)

سیاسی ماحول بھی خاص طور پہ خواتین کی بزنس چلانے کی صلاحیتوں پہ اثر انداز ہوتا ہے،مثلاً افغانستان میں غیر یقینی، جنگی صورتحال، غیر یقینی حکومتی اداروں اور ماحولیاتی خطرات خواتین کے کاروبار کے لئے رکاوٹ اور اسے آگے بڑھنے میں دقت پیش آتی ہے،اس کے علاوہ جنسی ہراساں کرنا،اور خاندان کی طرف سے حوصلہ شکنی کرنے کی وجہ سے خواتین کو لیڈرشپ پوزیشن پہ بہت کم پہنچ سکتی ہیں۔(276)

اگرچہ کہ خواتین مختلف معاشی میدانوں میں دنیا بھر کے معاشروں میں آگے بڑھنے کی تگ ودو کر رہی ہیں اوران کی کارکردگی بھی مرودوں کے مقابلے میں بہتر نظر آتی ہے،لیکن تجارت وکاروبار کے اس ماحول میں باوجود آگے بڑھنے کے خواتین پھر بھی ہر سطح پہ قائدانہ کردار ادا کرنے کے حوالے سے پیچھے نظر آتی ہیں،اس حوالے سے انہیں مختلف رکاوٹوں کا سامنا رہتا ہے۔اگر دنیا میں جائزہ لیا جائے تو صرف 4 فیصد Fortune کمپنیوں میں خواتین CEO کی سطح پہ پہنچ سکیں۔(277)

2014 میں خواتین صرف 24 فیصد سینئر سطح کے عہدے پہ پہنچ سکیں،یہی صورتحال 2007 , 2009 اور پھر 2013 میں بھی رہی۔اور اس طرح 2001 میں سینئیر مینجمنٹ تک پہنچ پائیں،اس حوالے سے گذشتہ عشرے میں بہت ہی کم تبدیلی آئی ہے۔(278)

مزید یہ کہ پوری دنیا میں بورڈ آف ڈائرکٹرز میں خواتین کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔مثلاً 2010 میں صرف 15.7 فیصد خواتین Fortune500 کمپنیوں کی بورڈ سیٹوں میں جگہ بنا سکیں۔ان میں سفید فام کی نمائندگی 13.4 فیصد اور 6. فیصد سیاہ فام اور 2.6 فیصد دیگر نسل کی خواتین شامل تھیں۔[279]

خواتین کا اعلیٰ سطح کے پروفیشنل فیلڈز مثلاً معیشت، ٹیکنالوجی اور سائنس کے شعبوں میں قائدانہ اور فیصلہ سازی کے حوالے سے نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔معاشیات اور انشورنس کے میدان میں خواتین صرف 18.6 فیصد ایگزیکٹو سطح کے عہدے رکھتی ہیں۔[280]

دنیا کے 177 سینٹرل بینکس کے گورنرز جو کہ کمرشل بینکنگ کو دیکھتے ہیں ان میں صرف 17 خواتین اس عہدے پہ ہیں۔[281]

اس حوالے سے ٹیکنالوجی کے میدان میں اعدادوشمار زیادہ افسوسناک نظر آتے ہیں مثلا! دنیا بھر میں آئی ٹی اور ٹیلی کام سیکٹر، 2010 میں 96 فیصد CEOs صرف مرد حضرات تھے۔اگرچہ یہ سیکٹر خواتین کو زیادہ جگہ دے سکتا ہے بنسبت دوسرے سیکٹرز کے، لیکن جنسی حوالے سے قائدانہ خلاء یہاں زیادہ ہے دوسرے سیکٹرز کے مقابلے میں۔لہذا خواتین نچلے درجے کے عہدوں پہ زیادہ توجہ مرکوز کرتی ہیں۔اور اسی طرح یورپ میں آئی سی ٹی سیکٹر میں خواتین بزنس مینوں کی تعداد 19.2 فیصد لیکن اس کے مقابلے میں دیگر سیکٹرز میں 53.9 فیصد ہے۔[282]

بہت سے ملکوں میں خواتین بحیثیت بزنس لیڈر کوآپریٹوز میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، لیکن ابھی تک ان کیلئے لیڈرشپ اور فیصلہ سازی کے حوالے سے مناسب نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔پوری دنیا میں ایک بلین سے زائد لوگ کوآپریٹیوز

کے ممبر ہیں۔[283]

ایشین بینک کوآپریٹوز میں خواتین صرف 14.5 فیصد بورڈ ممبر اور 18 فیصد کمیٹی ممبر ہیں۔[284]

انڈیا میں نیشنل کوآپریٹو یونین میں 40 بورڈ آف ڈائرکٹرز میں سے صرف دو خواتین ہیں۔اور NCCF میں 16 بورڈ آف ڈائرکٹرز میں کوئی بھی خاتون نہیں اور نہ ہی ایگزیکٹو کمیٹی میں کوئی خاتون شامل ہے۔[285]

ایتھوپیا میں خواتین کے مقابلے میں مرد 5 گنا زیادہ کوآپریٹوز میں لیڈرشپ کردارادا کر رہے ہیں۔[286]

پوری دنیا میں لیبر کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ٹریڈ یونینز تنخواہوں،جنسی امتیازات کے لئے مطالبات و مذاکرات کے حوالے سے ایک آلہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔تاہم خواتین کی قائدانہ کردار کے حوالے سے نمائندگی کا یہاں بھی فقدان نظر آتا ہے،مثلاً 2010 میں صرف یورپ کی 42 ٹریڈ یونینز میں سے 4 میں خواتین صدور تھیں اور صرف 39 میں سے 8 سیکرٹری جنرل تھیں۔[287]

اوراس طرح 9امریکی ٹریڈ یونینز میں سے خواتین صرف 24 فیصد اعلیٰ پوزیشن پہ ہیں۔[288]

کینیا میں زیادہ خواتین اپنی توجہ قومی سطح کی بجائے لوکل سطح پہ مرکوز رکھتی ہیں۔[289]

کیونکہ انہیں یہ اندازہ ہے کہ وہ قومی سطح پہ کسی قائدانہ کرادر کے لئے منتخب نہیں ہو سکتیں۔

۳: خواتین کی قیادت کے بحران کی وجوہات:

دنیا بھر میں خواتین کا مختلف شعبوں میں قیادت کی سطح پہ کردار ادا کرنے کا حوالے سے جوفقدان پایا جاتا ہےاس کی وجوہات ملاحظہ فرمائیں:

ا: خاندان کے حوالے سے زیادہ ذمہ داریاں:

کوئی بھی معاشرہ ہوخواتین کودگنا ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر شادی ہوتی ہےتو اس کے بعد خاندان بنانے میں، بچوں کی پیدائش سے لے کران کی تعلیم و تربیت، ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا، ان کی نگہداشت کرنا وغیرہ کرنا جب تک وہ اپنے پاؤں پہ نہیں کھڑے ہوجاتے، اس وقت تک خاتون کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، اگر معاشی حوالے سے مرداس کا ساتھ نہ دے، یا کسی مجبوری کی وجہ سے اسے اکیلے پروش کرنی پڑےتو وہ مزید مشکلات سے دوچار ہوتی ہے اس کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں، ایک ساتھ وہ بچوں کی معاشی کفالت کی بھی ذمہ دار ہوجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین جو کہ کام کرتی ہیں اور مختلف شعبوں میں تعلیمی قابلیت اور مہارت رکھتی ہیں، ان کو دوران ملازمت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، خاندان کی دوہری ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ اکثر اوقات ترقی کے مواقع سے محروم رہ جاتی ہے، کیونکہ وہ ذہنی دباؤں اور وقت کی قلت کی وجہ سے زیادہ توجہ اپنی جاب پہ مرکوزنہیں کر پاتیں۔ ان کے مقابلے میں مرد چونکہ اس قدر ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئی نہیں ہوتے لہذا وہ آسانی سے اہم عہدوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں، خواتین کی بہت کم تعداد جو کہ اس طرح کی دوہری ذمہ داریوں کونبھاتی ہیں کسی اہم عہدے تک رسائی حاصل کر پاتی ہیں۔

نفسیاتی حوالے سے بھی ایسی خواتین کا ذہن بن جاتا ہے کہ اپنے کیرئیر کی بجائے کو وہ اپنے بچوں یا اپنے خاندان پہ اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر خاندان کے معاشی حالات کسی طرح بہتر ہو جاتے ہیں تو وہ ملازمت ہی سے دستبردار ہو کر خاندان کی ذمہ داریوں کو نبھاتی ہے۔

اپنی ان ہی خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے خواتین اکثر اوقات پروفیشنل ٹریننگ کے لئے بھی وقت نہیں نکال پاتیں جس وہ اپنے آفس کے دیگر افراد کے مقابلے میں پیچھے رہ جاتی ہے، اس کے علاوہ وہ ملازمت کے حوالے سے سفر نہیں کر پاتیں اور اس طرح کی دیگر اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ترقی کے مواقع کھو دیتی ہیں۔

ب: مردوں کی اجارہ داری کا کلچر:

دنیا بھر کے معاشرے اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ مردوں کی ہر شعبہ ہائے زندگی میں اجارہ داری ہے، خواتین کے لئے ملازمتوں کے مواقع، ترقی کے مواقع مردوں کے مقابلے میں کم ہیں، اگر ملازمت مل جاتی ہے تو دوران ملازمت قائدانہ کردار کے لئے مردوں کو اولیت دی جاتی ہے۔ اہم ذمہ داریاں صرف مردوں کو اس لئے سپرد کی جاتی ہیں کہ وہ مردوں کے اس اجارہ داری کے کلچر میں وہ ذمہ داری نبھانے سے قاصر تصور کیا جاتا ہے۔

ت: مرد و عورت کو معاشرے کی طرف سے تفویض کیا گیا کردار:

دنیا بھر کے معاشروں میں مرد و خواتین کو ایک مخصوص کردار تفویض کیا گیا، اسکی جڑیں صدیوں کی تاریخ میں ہیں جب عورت کو اس کی جسمانی صلاحیتوں کی بدولت

ایک مخصوص گھریلو کردار تفویض کیا گیا، اگر زرعی دور کا جائزہ لیا جائے تو اس میں عورت گھر کی دیکھ بھال بھی کرتی تھی اور زمینوں پہ بھی کام کرتی تھی۔ آج تیسری دنیا کے خاص طور پسماندہ معاشروں میں خواتین آج بھی یہ کردار ادا کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مردوں نے اپنے مفادات کے تحت عورت کے معاشرتی کردار کو متعین کیا ہے۔ جب انکی ضرورت ہوئی کہ وہ بچے پالیں تو انہیں مختلف قوانین اور مذہبی فلسفوں اور نظریات کے تحت وہی کردار عنایت کر دیا گیا۔ اور پھر جب اس کی ضرورت زمینوں پہ پڑی تو مرد نے اسے دوہری ذمہ داریوں کا ذمہ بنا دیا۔ اب انڈسٹریل دور کے اندر جب عورت کی ضرورت پڑی تو اسے کمرشل مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس وقت اس کو ایک طبقہ گھر میں مقید رکھنا چاہتے تو دوسرا طبقہ اسے خرید و فروخت کی ایک جنس بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔

لہٰذا خواتین کو معاشرے کے اندر اسی صورتحال کی وجہ سے اپنے کردار کو خود تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے، خاص طور پہ متوسط، غریب خاندانوں میں یہ صورتحال نہایت سخت ہے۔ خاص طور پہ اس طرح کی صورتحال ہمارے معاشرے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کو اپنی پروفیشنل زندگی شروع کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ج: <u>خواتین کے پاس جنرل اور لائن مینجمنٹ کا ناکافی تجربہ:</u>

خواتین جب کسی شعبے میں شمولیت اختیار کرتی ہیں تو چونکہ دیگر وجوہات جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کی وجہ سے وہ مینجمنٹ تک رسائی شاذ و نادر حاصل کر پاتی ہیں لہٰذا انہیں مینجمنٹ کا تجربہ نہیں ہو پاتا، جس کی وجہ سے لیڈرشپ سطح تک ترقی کے مواقع نہیں حاصل کر پاتیں۔

چ: صرف چند خواتین کا رول ماڈل ہونا:

معاشرے کے اندر خواتین کا بھرپور طریقے سے مختلف شعبوں میں شرکت کا نہ ہونا اور دیگر رکاوٹوں کی بدولت خواتین کسی بڑی کامیابی تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔لہٰذا چند ایک خواتین ہی کسی اعلیٰ مقام تک پہنچ پاتیں ہیں،لہٰذا صرف چند خواتین کا رول ماڈل ہونا اور اکثریت کا کسی بہتر مقام تک رسائی کا نہ ہونا،لڑکیوں کو آگے بڑھنے کے لئے تحریک میں رکاوٹ بنتا ہے۔وہ یہ سمجھتی ہیں کہ کسی کامیاب اور اعلیٰ لیڈرشپ کردار تک پہنچنا ان کے لئے ناممکن ہو گا۔یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف اداروں میں کسی اہم قائدانہ رول تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے میں پراعتماد نہیں ہوتیں۔

ح: مردوں کا گھر کی ذمہ داریوں کو چھوڑنے کے حوالے سے خواتین کو حوصلہ نہ دینا:

عام طور پہ معاشرے میں یہ رویہ غالب حد تک موجود ہے کہ مرد حضرات خواتین کو گھر کی ذمہ داریوں کے حوالے سے زیادہ ہمت افزائی نہیں کرتے جب وہ کام یا ملازمت کے سلسلے میں گھر سے باہر جاتی ہیں،وہ اس بات کی سختی سے پابند ہوتی ہیں کہ اسے گھر کی تمام ذمہ داریاں اکیلے ہی نبھانی ہیں،،بعض اوقات تو اس پہ مختلف حوالوں سے تنقید بھی کی جاتی ہے،مرد کی طرف سے اسے اس پروفیشنل لائف کو کامیاب بنانے کے حوالے سے بہت کم حوصلہ ملتا ہے،گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ سے پروفیشنل لائف کو وقت نہ دینا ترقی کرنے کے مراحل پہ اثر انداز ہوتا ہے۔

خ: اداروں کے اندر جنسی حوالے سے نابرابری:

معاشرے میں رائج امتیازی قوانین بھی خواتین کی ترقی کے حوالے سے سب

سے بڑی رکاوٹ ہیں، ایسے قوانین جن کی بنیاد جنسی امتیاز پہ ہو سے خواتین بہت زیادہ متاثر ہوتی ہیں، کیونکہ ایک طرف عام معاشرے کی دقیانوسی سوچ کا عورت شکار ہوتی ہے اور اگر ایسے ہی ماحول میں اس کے امتیازی اور ظالمانہ قوانین کا نفاذ کیا جائے تو اس کے لئے بہتری کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

یہ ایک المیہ ہے کہ اکثر سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں خواتین کے حوالے سے امتیاز کی سوچ کرفرما نظر آتی ہے، خواتین کو کسی حد تک ماتحت کے طور پہ تو قبول کیا جاتا ہے لیکن اس کا مینجمنٹ میں یا قائدانہ کردار زیادہ تر پسند نہیں کیا جاتا یا اسے یہ کردار اس وجہ سے نہیں دیا جاتا کہ وہ ماتحت کام کرنے والے مردوں کو اچھی طرح سے ہینڈل نہیں کر پاتیں، اس طرح کا جنسی امتیاز اور سوچ تقریباً ہر ادارے میں نظر آتی ہے۔

معاشرے میں کام کرنے والے سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں مروجہ قوانین جن کا تعلق خواتین کے حقوق اور ان سے جنسی برابری کے حوالے سے موجود بھی ہیں تو ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا، اداروں کے پاس پالیسی موجود ہوتی ہے لیکن اس پہ عمل نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے خواتین دوران ملازمت مختلف قسم کے مسائل سے دوچار رہتی ہیں اور ترقی کے مواقع سے محروم رہتی ہیں۔

د: عورتوں کے حوالے سے دقیانوسی خیالات:

خاص طور پہ زوال پذیر معاشروں میں عورتوں کے حوالے سے دقیانوسی خیالات موجود ہیں، کہ عورت بنیادی طور پہ کمزور پیدا کی گئی ہے، اس کی ساخت ایسی ہے کہ یہ صرف گھر گرہستی ہی انجام دے سکتی ہے، اس کے مقابلے میں مرد کو اجارہ دارانہ کردار تفویض کیا گیا ہے، عورت ہر حال میں مرد کی محتاج اور اس کے رحم وکرم پہ ہے۔ عورت کی رائے، اس کے فیصلے کو عام طور پہ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ فیصلہ

سازی میں اس کی رائے کو اہمیت نہیں ملتی۔عورت کو کمزور حیثیت دے کر اسے اپنے مقاصد کے تحت کردار تفویض کیا جاتا ہے۔اسی معاشرتی سوچ کا نتیجہ ہے کہ ایسے پسماندہ معاشروں میں عورت کسمپرسی کی زندگی گذارتی ہے، بہت کم اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوکر خوداعتمادی سے زندگی کے کسی بھی شعبے کا انتخاب کر کے آگے بڑھنے کا موقع بہت کم میسر آتا ہے۔

ڈ: خواتین کے لئے لیڈرشپ ٹریننگ کی کمی:

معاشرے میں رائج تعلیمی نظام یا دیگر تربیتی اداروں میں خواتین کے لئے لیڈرشپ ٹریننگ کا فقدان موجود ہے۔ایک طرف اداروں نے بطور خاص خواتین کی لیڈرشپ ٹریننگ کے لئے کوئی بہتر حکمت عملی وضع نہیں کی اور دوسری طرف ایسی خواتین جو کہ مختلف شعبوں میں ملازمت کر رہی ہوتی ہیں ان کے لئے ان کے اپنے اداروں کی طرف سے ان کے لئے مناسب لیڈرشپ ٹریننگ کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ خواتین اپنے گھریلو و دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے بھی ٹریننگ کے لئے مناسب وقت نہیں نکال سکتیں جس کی وجہ سے وہ لیڈرشپ ٹریننگ سے محروم رہ جاتی ہیں،جس کی وجہ سے وہ قائدانہ کردار حاصل کرنے میں ناکام جاتی ہیں۔

۴: خواتین کی گھر سے نکل کر ملازمت یا کام کرنے کی وجوہات:

پوری دنیا اور خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں خواتین کی ملازمت اختیار کرنے کی بنیادی وجہ ان کی معاشی بدحالی اور اپنے اور اپنے بچوں یا دیگر عیال کا پیٹ پالنا ہے اقتصادی مجبوریاں ان کو ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں ۔اگر ہم اپنے معاشرے کا مزید جائزہ لیں تو کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے خواتین کو گھر سے نکلنا پڑتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

ا: مرد کی کفالت کا نہ ہونا:

عام طور ہمارے معاشرے میں شادی کے بعد مرد کفیل ہوتا ہے، اور تمام معاشی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے، لیکن جب عورت کو طلاق ہو جاتی ہے یا اس کا خاوند فوت ہو جاتا ہے تو اپنی اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اس کے کندھوں پہ آ جاتی ہے، لہذا اسے کام کرنا پڑتا ہے، اس حوالے سے وہ منفی سماجی رویوں کا بھی سامنا کرتی ہے اور ایسی خواتین پاکستانی معاشرے میں سب سے زیادہ استحصال اور محرومی کا شکار ہوتی ہیں۔ اس کو اور اس کے بچوں کی کوئی ذمہ داری لینا گوارا نہیں کرتا، بعض اوقات اس کے اپنے والدین اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اگر وہ اکیلی خاتون وراثت میں اپنے خاوند کی کچھ جائداد یا مال حاصل کرتی ہے تو وہ بھی اس سے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے ہتھیانے کی کوشش کی جاتی ہے اسے طرح طرح سے ہراساں کیا جاتا ہے، آئے دن اس طرح کی کہانیاں میڈیا میں گردش کرتی رہتی ہیں۔

ب: معاشی مسائل کی وجہ سے خاندان کی کفالت:

بہت ساری خواتین ایسی بھی ہیں جو کہ شادی سے پہلے ہی معاشی تگ ودو میں پھنس جاتی ہیں، مثلاً اگر اس کا تعلق ایک غریب خاندان سے ہے اور بوڑھے والدین ہیں اور کوئی اور مرد گھر میں کمانے والا نہیں ہے تو اس سورت میں اگر خاتون گھر میں دیگر بہن بھائیوں سے بڑی ہے تو وہ اپنے بہن بھائیوں اور بوڑھے والدین کی کفالت کے لئے ملازمت کرتی ہے یا دیگر کسی کاروبار میں شامل ہوتی ہے، دیکھا گیا ہے کہ ایسی بچیاں اپنی پوری جوانی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے لئے وقف کر دیتی ہیں اور خود اس وجہ سے اپنا گھر نہیں بسا سکتیں کیونکہ ان کے کاندھوں پہ دوسروں کی کفالت کا بوجھ ہوتا ہے۔ اور اس طرح کی خواتین جب اپنے بہن بھائیوں کی کفالت کی ذمہ

داری سے فارغ ہوتی ہیں انہین اچھی تعلیم دلاتی ہے ان کی شادیاں کرتی ہیں، تو خود ان کی اپنی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ اپنا گھر بسانے میں ناکام رہتی ہیں، اس طرح ایسی خواتین ایک طرف اپنی ساری زندگی معاش کے حوالے سے جدوجہد میں گذارتی ہیں فقط دوسروں کے لئے اور پھر آخر میں ایک نئی اذیت ناک زندگی ان کے سامنے ہوتی ہے وہ ان کی تنہائی اور دوسروں کی ان کی طرف سے بے اعتنائی۔ معاشرے کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان کی ساری بقیہ زندگی مصائب اور دکھوں سے لبریز رہتی ہے۔

ت: اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا یا کیریئر بنانے کے لئے کام کرنا:

پاکستانی معاشرے کے اندر ایسے متوسط یا متوول خاندان بھی ہیں جن کی بچیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا چاہتی ہیں، ملکی ترقی کے لئے، مختلف شعبوں میں وہ اعلیٰ درجے کی تربیت سے بہرہ مند ہو کر اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اور بیرون ملک سے بھی تربیت لے کر آتی ہیں، بہت ساری خواتین جن کے معاشی حالات اچھے ہوتے ہیں وہ ڈاکٹرز بن جاتی ہیں، اس کے علاوہ میڈیا کے مختلف شعبہ جات میں بھی وہ خواتین زیادہ بہتر انداز سے جگہ بنالیتی ہیں جو کہ خوشحال خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کا اثر رسوخ زیادہ ہوتا ہے، یا ان کے پاس ماس کمیونکیشن، موسیقی، فیشن ڈیزائننگ یا ماڈلنگ، مووی میکنگ، پروڈیوسنگ، ڈائریکشن ایکٹنگ وغیرہ کے حوالے سے اچھی اور معیاری تعلیم وتربیت ہوتی ہے۔ لیکن ایسی خواتین کی تعداد انتہائی کم ہے۔

ث: جہیز کا تقاضہ:

ہمارے معاشرے میں خواتین کا ایک بڑا حصہ اس وقت جہیز کے حولے سے معاشرتی لعنت کا شکار ہے، جب بچیوں کی شادی کے لئے جہیز کے تقاضے کئے جاتے

ہیں تو پھر انہیں کام کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے،اس طرح وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کارلانے کے لئے یا کیرئیر بنانے کے لئے کام نہیں کرتیں فقط جہیز کے سامان کی فہرست کو پورا کرنے کے لئے کام کرتی ہیں،اسی لئے جب وہ ان کی شادی ہوجاتی ہےتو وہ ملازمت چھوڑ دیتی ہے۔

۵: ہمارے معاشرے میں خواتین کی معاشی حالت اوران کی ان تھک جدوجہد:

دیگر دنیا کی طرح پاکستان میں بھی خواتین کی معاشی حالت اوران کے ساتھ جنسی امتیازات کی صورتحال تسلی بخش نہیں قرار دی جاسکتی،بعض اعداد وشمار یہ بتاتے ہیں کہ یہاں کی صورتحال زیادہ تشویش ناک ہے۔

''پاکستان میں صرف 19 فیصد خواتین سیکنڈری ایجوکیشن تک رسائی رکھتی ہیں، صرف 3 فیصد اپنا بینک اکاؤنٹ رکھتی ہیں،SME سال میڈیم انٹر پرائزز کے حوالے سے ٹریننگ لینے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں، 10 فیصد سے کچھ زیادہ خواتین انٹرنیٹ تک رسائی رکھتی ہیں۔

لیڈرشپ اور برابری کے حقوق کے حوالے سے دنیا بھر میں 31 مما لک میں پاکستان کا آخری نمبر ہےاس حوالے سے ایک بڑا خلا پاکستانی معاشرہ میں موجود ہے، مرد کے پاس سارااختیار ہےاس کی مرضی کے بغیر عورت نہ تو کام کے لئے باہر جاسکتی ہےاورنہ ہی کسی کاروبار میں حصہ لے سکتی ہے۔(290)

پاکستان میں زیادہ تر مائکرو فانس کے ادارے قرض کی درخواست اس وقت وصول کرتے ہیں جب خواتین اپنے خاوند کی اجازت لیتی ہیں یا کسی مرد کی گارنٹی درکار

ہوتی ہے۔[291]

''صرف 11 فیصد خواتین جن کی عمریں پندرہ سے چونسٹھ سال کے درمیاں ہیں کوٹیکنیکل یا ووکیشنل تعلیم حاصل کر چکی ہیں، جبکہ اکثریت کی تعلیم پرائمری یا اس سے کم ہے۔ زیادہ تر سلائی کڑھائی وغیرہ کی تربیت لیتی ہیں۔ خواتین کے لئے معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے دروازے فی الحال محدود ہیں چاہے تعلیم ہو یا تربیت کا میدان ہو۔

صرف 26 فیصد خواتین مائیکرو فائنس اداروں سے قرضہ لیتی ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں مردوں کی تعداد 74 فیصد ہے۔

شعبہ زراعت میں جس میں خواتین کی اکثریت لیبر کے طور پہ کام کرتی ہے ان میں صرف 4 فیصد قرضہ لے سکتی ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں 96 فیصد مرد قرضہ لیتے ہیں۔ مجموعی طور پہ 13 فیصد خواتین کو قرضہ کے حصول تک رسائی ہے جبکہ ان کے مقابلے میں مرد 87 فیصد حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک سروے کے مطابق 89 فیصد شادی شدہ خواتین کی ملکیت میں مکان نہیں ہے اور 96 فیصد کے پاس زمین کی ملکیت نہیں ہے۔ صرف 2 فیصد خواتین اکیلے مکان کی ملکیت رکھتی ہیں۔

7.4 فیصد خواتین مکان کی مشترکہ ملکیت رکھتی ہیں اور 2 فیصد اکیلی زمین کی ملکیت جبکہ 1.8 فیصد زمین کی مشترکہ ملکیت رکھتی ہیں۔

یہ اعداد وشمار تھوڑے سے زیادہ ہو جاتے ہیں جب خواتین کی عمر چالیس سے انچاس سال کے درمیان ہو جاتی ہے، اس عمر کی خواتین کی 7.4 فیصد مکان کی تنہا

ملکیت رکھتی ہیں جبکہ 17.6 فیصد مشترکہ ملکیت رکھتی ہیں۔جبکہ زمین کے حوالے سے ان کی تنہا ملکیت 5.5 فیصد ہےاور جبکہ زمین کی مشترکہ ملکیت 3.9 فیصد ہے۔

زیادہ عمر کی خواتین کی ملکیت میں اضافہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ وراثت کی مالک ہوتی ہیں یا وہ مشترکہ طور پہ وراثتی پراپرٹی کو اپنے بھائیوں یا خاوندوں کے ساتھ مل کر کاروبار میں لگاتی ہیں۔

اس وقت ملکی معیشت میں ابھی تک 14.4 ملین خواتین یا 26 فیصد خواتین جن کی عمریں پندرہ سے چونسٹھ سال کے درمیان ہے لیبر فورس کا حصہ ہیں۔کل ملا کر 36 فیصد خواتین جن کی عمریں پندرہ سے چونسٹھ سال کے درمیان ہے جن کی تعداد تقریباً 41 ملین ہے ابھی تک وہ ملکی معیشت میں متحرک نظر نہیں آتیں۔

ورک فورس میں شادی شدہ خواتین کی 26 فیصد اور 24 فیصد وہ ہیں جن کے بچے تین سال سے کم عمر کے ہیں۔

خواتین کی ملازمت پیشہ وارانہ کیٹیگری میں 30 فیصد ہے اور زراعت اور ماہی گیری کے ماہر محنت کشوں میں وہ 38 فیصد ہیں۔ایلیمنٹری پیشوں میں 21 فیصد ہیں۔

پروفیشنل کیٹیگری میں خواتین صرف پرائمری اور سیکنڈری سکول کی تدریس پہ اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہیں۔چند ایک سائنس، ٹیکنالوجی اور انجنیئر نگ اور ریاضی کو اختیار کرتی ہیں۔ 30 فیصد خواتین اور 3 فیصد مرد گھروں میں ملازمت کرتے ہیں۔

اگرچہ کہ شہر میں رہائش پزیر خواتین دیہی خواتین کے مقابلے میں زیادہ آزاد اور اپنے حقوق کے بارے میں آگہی رکھتی ہیں لیکن وہ بھی بڑھتی ہوئی آبادی اور معاشی

مسائل کی وجہ سے متاثر ہو رہی ہیں۔ایک کیس سٹڈی Collective social science research جس کا عنوان تھا Women and paid work in Pakistan کے مطابق پاکستان کے بڑے شہروں میں کام کرنیوالی خواتین ملازمتوں کے محدود آپشنز، تنخواہ میں نا برابری، اور کام کے دوران خراب ماحول اور حالت کی وجہ سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔سب سے زیادہ ذمہ داریاں غریب شہری عورت پہ ہیں، وہ دوہری ذمہ داریاں نبھاتی ہیں، مثلاً گھر کی ذمہ داری اور پھر خاندان کی کفالت کے لئے کام کرنا۔

پاکستان میں خواتین کی ملازمتوں کے حوالے سے صورتحال حوصلہ افزا نہیں ہے۔قومی سطح پہ اور عالمی سطح پہ آزادانہ تحقیقی مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ 2002 سے لے کر 2013 تک خواتین کے لئے ملازمت کے مواقع مسلسل کم رہے ہیں۔

خواتین کا مختلف شعبوں میں ورکر یا پروفیشنل کی صورت میں شامل ہونے کے حوالے سے کئی رکاوٹیں موجود ہیں جن میں شرح تعلیم کا انتہائی کم ہونا، سماجی اور روایتی معیارات اور ممنوعات جن کی وجہ سے کام کرنے پہ پابندیاں ہیں، کام کے دوران مارکیٹ میں بھی جنسی امتیاز بھی

روا رکھا جاتا ہے۔کوشش کی جاتی ہے کہ خواتین کو ملازمتوں کی مارکیٹ سے باہر رکھا جائے یا انہیں کم آمدنی والی یا نچلے سطح کی ملازمتوں کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ جہاں ان کی صلاحیتیں اور آگے بڑھنے کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔

زیادہ تر ان سیکٹرز میں انہیں ملازمت ملتی ہے جہاں بدانتظامی یا ناقص انتظامی کی کیفیت ہوتی ہے، پیداوار کم ہوتی ہے، آمدنی کم ہوتی ہے، اور سب سے زیادہ ملازمت کو عدم تحفظ ہوتا ہے۔ ہمہ وقت خواتین اس طرح کے حالات کا سامنا کرتی ہیں۔

اگر معاشیات اوراقتصادیات کے مختلف شعبوں کا تجزیہ کیا جائے تو:

کچھ کام روایتی کاموں کی صف میں آ چکے ہیں وہ عورت کے لئے بنے سمجھے جاتے ہیں۔تقریباً تمام ممالک میں نرس کا نام آتے ہی عورت کا تصور علاوہ ازیں سلائی کڑھائی کا نام عورت کے ساتھ ائیر ہوسٹس، عورت دفتروں میں سیکرٹری اور receptionist عورت ، ٹیلی فون آپریٹر عورت۔ یہ سارے کام عورت سے منسوب ہونے کی عمومی توصیف رکھنے کے باوجود ان شعبوں سے متعلق عورتوں کو بہت عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اوران شعبوں میں ملازمت حاصل کرنے والی عورت کو خاندان بھر کی مخالفت کے باوجود یہ شعبہ منتخب کرنا ہوتا ہے۔اسی طرح ریڈیو، ٹیلی وژن اورفلم میں کام کرنے والی خواتین کی تعریف تو کی جاتی ہے۔مگر کوئی رشتہ داریا اپنی بیٹی ڈرامے میں کام کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ہمارے بیشتر گھرانوں میں انکار کی آواز بلند ہوجاتی ہے۔

آج کل الیکٹرونک کی مصنوعات تیار کرنے ،سوَ چ بنانے اور قالین بننے کے شعبوں میں عورتوں کی بہت مانگ ہے۔الیکٹرانک مصنوعات کے شعبے میں دیگر فیکٹریوں میں عورت کی مانگ کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1: عورت مجبوری کے تحت کام کرنے کے لئے نکلتی ہے اس لئے معاوضے کے لئے سوداکاری کا اصول اختیار نہیں کرتی۔

2: ملازمت جاری رکھنے کی مجبوری کے باعث کسی قسم کی ٹریڈ یونین سرگرمی سے گریز کرتی ہے۔

3: کم اوورٹائم پر بھی کام کرنے پہ رضامند ہوجاتی ہے۔

سوئچ بنانے اور قالین بنانے کے لئے عورتوں اور بچیوں کا کام کرنا اس لئے مفید ہوتا ہے کہ ان کی باریک اور پتلی انگلیاں، باریک تار جوڑنے اور قالین کے باریک پھندے لگانے کے لئے بہت کارآمد ہوتی ہیں کپڑا بننے اور کیلنڈر رنگ میں بھی عورتوں کی کھپت ان ہی خصائص کی بناء پر ہے

خواتین اقتصادی میدان میں دو پہلوؤں پر اپنی خدمات پیش کرتی ہیں ایک وہ خواتین جو بلا اجرت کام کرتی ہیں۔ایک لیبر فورس سروے کے مطابق۔

''1997ء میں تقریباً 70 فیصد مرد جن کی عمریں 10 سال سے زیادہ تھیں ملازم تھے ان کے مقابلے میں 13.6 فیصد عورتیں تھیں اس میں عورتوں کی وہ تعداد شامل نہیں ہے جو ریکارڈ نہیں کی جاتیں خاص طور پر بغیر معاوضے کے کام اور اپنے خاندان کے کھیتوں پر کام کرنے والی عورتوں کے بارے میں کم معلومات فراہم کی جاتی ہیں گھریلو کام کرنے کے علاوہ جیسے کھانا پکانا، صفائی ستھرائی کرنا، بیماروں اور کمزوروں کی دیکھ بھال کرنا، لکڑی اور پانی گھروں کو بھر کر لانا وغیرہ۔ بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش کرنا، عورتیں جانوروں کی دیکھ بھال بھی کرتی ہیں اور دیہی علاقوں میں اناج کا ذخیرہ بھی۔''(292)

درج بالا سروے پر تبصرہ کرتے ہوئے رشیدہ پٹیل تحریر کرتی ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ عورتوں کی بہت بڑی تعداد گھر سے باہر فائدہ مند کام کرتی ہے تنخواہ پانے والی عورتیں اپنی بہبود سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں اور اپنا خیال رکھنے پر مائل ہوتی ہیں بچوں کی تعداد عورت کی طرز زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے، گھر سے باہر کام کرنے کی مزید ذمہ داری کی وجہ سے ایک تنخواہ

پانے والی عورت کو کچھ آزادی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس بات پر قدرتی طور پر مائل ہوتی ہے کہ وہ اپنا خاندان مختصر رکھے۔"(293)

متوسط طبقے کی خواتین ہوں یا غریب گھرانوں سے متعلق خواتین بے شمار سماجی اور معاشی رکاوٹوں اور مسائل کے باوجود اپنی صلاحیتوں کا لوہا مختلف میدانوں میں منوا رہی ہیں، اس وقت شعبہ تعلیم میں، نرسنگ کے شعبہ میں اور انڈسٹریل ہومز، بوتیک، بیوٹی پارلرز وغیرہ میں خدمات انجام دے رہی ہیں، مگر عصری تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا اور خواتین کو تعلیمی قابلیت اور ہنر میں اضافہ کے لئے تگ ودو کرنی پڑی اور اب انہوں نے ایسے شعبے اختیار کرنا شروع کئے جو صرف مردوں کے لئے ہی مخصوص جانے جاتے تھے۔ مثلاً اکاؤنٹس، بزنس مینجمنٹ، مارکیٹنگ، سیلز سیکورٹی وغیرہ میں بھی شریک ہو رہی ہیں۔ اور اہم عہدوں پہ فائز ہو رہی ہیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"معاشی حالات نے عورتوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لئے ملازمتیں کریں۔ ابتداء میں ان کے لئے صرف تعلیمی اداروں کی ملازمت اچھی سمجھی جاتی تھی مگر آہستہ آہستہ معاشی دباؤ کے تحت وہ اب ہر جگہ نظر آنے لگی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی پردے کی سختیاں ختم ہو رہی ہیں۔"(294)

ملک کی آبادی کا نصف ہونے کی وجہ سے ملکی معیشت کی ترقی میں خواتین کا کردار بہت اہم ہو سکتا ہے، لیکن یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب بنیادی مسائل کو مد نظر رکھ کر انتہائی اخلاص سے ان مسائل کا مناسب حل تلاش کیا جائے جن کی وجہ سے

پاکستانی خواتین جنسی امتیاز کا شکار ہیں۔ اگر پاکستان میں خواتین کے حوالے سے جنسی امتیازات کو ملازمت اور دیگر زندگی کے میدانوں ختم کیا جائے تو یقینی طور پہ پہ آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ خواتین کو مرکزی دھارے میں ملازمتوں کے مواقع فراہم کرنے کے لئے اہم اقدامات کئے بغیر پاکستان کی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ورلڈ بینک ڈیولپمنٹ انڈیکیٹرز WDI کے مطابق: پاکستان میں غربت کی صورتحال انتہا کو چھورہی ہے، 180 ملین آبادی میں 21 فیصد لوگ غربت سے نیچے کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ UNDP کے مطابق: غربت وامارت کا فرق بہت زیادہ ہو رہا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ جنسی نابرابری کی صورتحال ہے، مردوں کے لئے تمام مواقع موجود ہیں لیکن خواتین کے لئے اپنی معاشی حالت کو بہتر کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ اس وقت سب سے اہم ترین مسئلہ ملک کی اکثریتی غریب آبادی کا حصہ وہ غریب خواتین ہیں جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بس کررہی ہے۔

غریب خواتین سب سے زیادہ مصائب کا شکار ہیں یہ وہ خواتین ہیں جو کم تعلیم یافتہ ہیں اور جن کے پاس ہنر کی بھی کمی ہے اور اپنے خاندان کی کفالت کے لئے انہیں کام ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اس غربت کی لکیر کو توڑ دیں لیکن یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ ذیل میں ان خواتین کی صورتحال کا جائزہ پیش خدمت ہے:

ا: جز وقتی مزدور خواتین:

خواتین کی ایک بڑی تعداد پیداواری شعبوں میں کام کرتی ہیں لیکن ان کو غیر پیداواری کام قرار دیا جاتا ہے ایسے ہی کام جو پیداواری ہونے کے باوجود،

ماہرین معیشت اور سماجیات غیر پیداواری قرار دیتے ہیں، مثلاً ''اینٹیں بنانے والے، یومیہ اجرتی کارکنوں کی بڑی تعداد عورتوں پر مشتمل ہوتی ہے یہ عورتیں ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں کہ جو دیہات سے روزگار کی تلاش کے باعث شہر اور اسکے قرب و جوار کا رخ کرتی ہیں پاکستان میں اس وقت تقریباً 2455 اینٹوں کے بھٹے ہیں جو کہ بڑے شہروں کے مضافات میں واقع ہیں ہر بھٹے پر 25 مرد اور 20 عورتیں اوسطاً کام کرتی ہیں بڑے بھٹوں پر جو کہ سندھ اور پنجاب میں واقع چھوٹے بھٹوں پر کارکنوں کی تعداد 20 کے لگ بھگ رہتی ہے گویا اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے والے کل 1,21,025 کارکنوں میں سے 48900 عورت کارکن ہیں ان پچاس ہزار کے قریب پیداواری عورتوں کی آمدن اور محنت کو کسی ریکارڈ میں محفوظ نہیں کیا جاتا بلکہ سرکاری شماریات میں ان کا نام فرد کی مددگار کی حیثیت سے دیا جاتا ہے عورتوں کی یوں غیر پیداواری قرار دینے کا سبب یہ بھی ہے کہ اینٹوں کے یہ بھٹے فیکٹری ایکٹ 1934 کے تحت رجسٹر نہیں کرائے جاتے ہیں ہر چند 400 کے قریب بھٹے فیکٹری ایکٹ کے تحت رجسٹر ہیں لیکن ان میں سے ایک میں بھی عورت کا بطور کارکن اندراج نہیں ہے گویا اس طرح وہ ان تمام مراعات سے بھی محروم رہتی ہیں جو کہ ایک کارکن کو دینا، فیکٹری کے مالک کا فرض ہوتا ہے۔

اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے والی عورتوں کی 60.9 فیصد تعداد نے 12 سال سے کم عمر سے کام شروع کیا ہوتا ہے۔ 8 سال سے 60 سال تک کی عمر کے درمیان کی عورتیں بھٹوں پر کام کرتی ہیں 21 سے 40 سال کے درمیان کی عورتیں بھٹوں پر کام کرتی ہیں 21 سے 40 سال تک کے درمیان کی عمر کی 75.4 فیصد عورتیں اپنے پورے خاندان کے ساتھ نسل در نسل بھٹوں پر کام کرتی آرہی ہیں اس کا ایک سبب یہ

ہے کہ اجرت کی ادائیگی فی ہزار کے مطابق کی جاتی ہے اس لئے جتنے ہاتھ ایک گھر کے ملکر اینٹیں بنائیں کہ ایک ہزار ہو جائیں اتنی رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔

بھٹوں پر کام کرنے والی عورتوں میں سے 92.3 فیصد قطعی ان پڑھ اور 5.2 فیصد نے عربی ابتدائی قاعدہ یا قرآن ناظرہ پڑھا ہوتا ہے بھٹوں پر کام کرنے والی عورتوں میں سے بیشتر کی صحت خراب اور زچگی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں کہ بچے کی پیدائش کے بہت جلد بعد کام پر آنے کے باعث زچہ و بچہ صحت کی خرابی اور اموات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ 96.8 فیصد عورتیں کچی اینٹیں بنانے کا کام کرتی ہیں علاوہ اس کے اینٹوں کے لئے مٹی کھودنے، مٹی ملانے، تھیلوں میں بھر بھر کر گدھوں پر لاد کر لانے، کچی اینٹیں بھٹوں سے نکالے جیسے تمام کام عورتیں کرتی ہیں اور کہیں بھی یہ کام پیداواری عمل پر شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

بھٹوں پہ کام کرنے والی عورت ہر روز 10 گھنٹے اور 45 منٹ کام کرتی ہے یہ وقت مرد کے صرف کئے جانے والے روزانہ وقت سے 20 منٹ کم ہے۔ علاوہ ازیں یہی عورت گھر جا کر بچے کی نگہداشت سے لے کر کھانے پکانے، کپڑے اور برتن دھونے کا کام کرنے پہ مزید 4 گھنٹے صرف کرتی ہے گویا عورت مہینے میں 26 دن اور روزانہ ساڑھے چودہ گھنٹے کام کرتی ہے چھٹی والے دن بھی عورت اینٹیں گننے اور ترتیب سے لگانے کا کام کرتی ہے گویا سال میں ساڑھے دس مہینے کام اور باقی ڈیڑھ ماہ برسات کے موسم بھٹے بند رہتے ہیں۔ یہ عورتیں حمل کے دوران پورے وقت کام پہ آتی ہیں اور زچگی ہونے کے دس دن کے اندر اندر پھر کام پہ واپس آ جاتی ہیں ہر چند کہ علیحدہ پیسے نہیں ملتے، مگر چونکہ خاندان میں 664 روپے فی ماہ فی خاندان اوسطاً دیئے جاتے ہیں اس لئے عورت کی بھی فی گھنٹہ آمدنی 459. پیسے تخمینہ کی جا سکتی ہے۔''[295]

خواتین جز وقتی کام کرتی ہوں یا مکمل ملازمت اختیار کئے ہوئے ہوں انہیں گھر کی تمامتر ذمہ داریوں کو بھی سنبھالنا پڑتا ہے اور ایک دھرے بوجھ کو لے کر چلنا پڑتا ہے اس سلسلے میں ان کے شوہروں یا دیگر مردوں کی طرف تعاون نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے بلکہ اکثر اوقات نہیں ناروا سلوک، سختی اور تشدد سے گزرنا پڑتا ہے۔

ب: خواتین پتھاریدار یا دوکاندار:

ہمارے معاشرے میں غریب خواتین جب شہر کا رخ کرتی ہیں، تو انہیں اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے انتہائی محنت کرنی پڑتی ہیں، اس سے وہ اپنا معیار زندگی بہتر کرنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ پاکستان میں ملازمتوں کے حوالے سے سخت مقابلے کی فضا کی وجہ سے شہری علاقوں میں خواتین اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کرتی ہیں، عام طور پہ سمال بزنس جیسا کہ فروٹ، سبزی اور پھول بیچتی ہیں، اس کے علاوہ دیگر عام استعمال کی اشیاء گلیوں کے کناروں پہ بیٹھ کر یا اپنے گھروں کے کمروں میں چھوٹی سی دوکان کھول کر فروخت کرتی ہیں۔

ت: گھریلو ملازم خواتین:

پاکستان میں سب سے بری صورتحال سے دوچار وہ خواتین ہیں جو گھروں میں صفائی ستھرائی اور دیگر سروسز مہیا کرتی ہیں، مردوں کے مقابلے میں خواتین اس ملازمت میں زیادہ ہیں، وہ گھروں کی صفائی کرتی ہیں، بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں، کھانا پکاتی ہیں اور اس طرح کے دیگر کام ان سے لئے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے غریب بچیوں کا مستقبل، غریب عورتوں کے مقابلے میں بہت گھمبیر ہوتا ہے وہ ابتدائی عمر میں ہی گھریلو مددگار کے طور پہ گھر سے ہی کام شروع کرتی ہیں، اور وہی کردار ادا

کرتی ہیں جو کہ ان کی ماؤں نے کیا، وہ اپنے ماؤں کا ہاتھ بٹانے کے لئے گھروں میں مزدوری کرتی ہیں، اور اس طرح وہ محنت کی چکی میں پستی چلی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کام کے دوران انہیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک ریسرچ سٹڈی Alliance against Harassment (AASHA) کے مطابق 91 فیصد گھریلو ملازم خواتین جنسی ہراساں کی جاتی ہیں، لیکن وہ اس صورتحال کو برداشت کرنے پہ مجبور ہیں، کیونکہ انہیں اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی شکایت کریں بھی تو غریب ہونے کی وجہ سے ان کی مناسب انداز سے دادرسی نہیں ہوتی ہے۔

ث: دیگر خدمات انجام دینے والی خواتین:

پاکستان میں وہ غریب خواتین جو کہ دستکاری، درزی یا سیلون کا کام سیکھ لیتی ہیں، وہ اسے پیشہ کے طور پہ اپنا لیتی ہیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی اشیاء کو فروخت کرتی ہیں، اگرچہ کہ دستکار خواتین کی محنت سے بنائی ہوئی اشیاء کو انہیں اچھا معاوضہ نہیں ملتا کیونکہ ان کی اشیاء مڈل مین خرید کر کے آگے مارکیٹ میں بیچتا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر سڑک کے کناروں پہ چھوٹی بچیاں گاڑیوں کی صفائی کرتی ہوئی بھی نظر آتی ہیں۔ جو کہ ان کا ذریعہ معاش ہوتا ہے۔

ج: کوڑا کرکٹ اٹھانے والی خواتین:

پاکستان کے شہروں میں اکثر سڑکوں اور گلیوں میں خواتین کورا کرکٹ اکھٹے کرتی نظر آتی ہیں، ان میں وہ خواتین شامل ہوتی ہیں جن کے پاس نہ تو کوئی ہنر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اور ملازمت کی سہولت، لہذا وہ اپنی گذراوقات کے لئے اس کام کو اپنا ذریعہ

معاش بناتی ہیں۔ان میں زیادہ تر بوڑھی عمر کی خواتین اور بچیاں شامل ہوتی ہیں۔ یہ وہ واحد پیشہ ہے جسے وہ آسانی سے حاصل کر سکتی ہیں،لیکن یہ پیشہ اکثر اوقات ان کے لئے جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کوڑا کرکٹ میں میڈیکل کا کوڑا بھی مل جاتا ہے، جب وہ اسے اکٹھا کرتی ہیں یا علیحدہ کر رہی ہوتی ہیں تو اس وقت یہ ایڈز، ہیپاٹائٹس اور دیگر خطرناک بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔

چ: شہری خانہ بدوش خواتین:

یہ خواتین ان خاندانوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہروں کا یا دیہاتوں سے شہروں کا رخ کرتی ہیں۔اس طرح کے خانہ بدوش خاندان پاکستان کے کئی شہروں میں نظر آتے ہیں، ان کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، نہ ہی زمین اور نہ ہی مکان، وہ شہر کے کم ٹریفک والی سڑکوں، خالی پارکنگ ایریا، پلوں کے نیچے خالی جگہوں کو اپنا مسکن بناتے ہیں۔

یہ خانہ بدوش عورتیں اپنے گزر اوقات کا بندوبست مختلف طریقوں سے کرتی ہیں، کبھی بھیک مانگنا، اور بعض تو جسم فروشی میں بھی ملوث ہو جاتی ہیں۔انہیں بھی کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جب انہیں اپنی رہائشی جگہ سے بے دخل ہونا پڑتا ہے، اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے بہت زیادہ مشقت کرنی پڑتی ہے۔

ح: بھکاری خواتین:

ملک میں بڑھتی ہوئی غربت وافلاس، اور بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے غریب لوگوں کا انحصار امداد پہ بڑھتا جا رہا ہے، غریب افراد کے لئے مناسب کام کا نہ ہونا، اور انہیں کام کے لئے تیار کرنے کا انتظام نہ ہونا انہیں بھیک مانگنے پہ مجبور کرتا ہے، غریب

عورتیں، بچیاں سڑکوں، گلیوں اور گھروں کے باہر بھیک مانگتی نظر آتی ہیں۔ اگر چہ اسے جاب کا درجہ تو نہیں دیا جاسکتا، لیکن بھیک سے حاصل شدہ آمدنی عام طور پہ دیگر پیشوں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے کے برابر ہوتی ہے۔ یا اس سے کچھ زیادہ۔

بھیک مانگنے والی خواتین کے لئے بھی ایک اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ بڑے شہروں میں ایسے گروہ پیدا ہو چکے ہیں جو بچیوں اور عورتوں کو بھیک مانگنے کے لئے استعمال کرتے ہیں انہیں بعض اوقات معذور کر دیا جاتا ہے اور انہیں شہر کے مختلف علاقوں میں سڑکوں پہ بٹھا دیا جاتا ہے اور ان کی بھیک کی کمائی کو یہ گروہ ہڑپ کر جاتے ہیں اور وہ خواتین کو موت تک انہیں استعمال ہونا پڑتا ہے۔

خ : دیہی علاقوں میں زراعت کے ساتھ منسلک خواتین:

پاکستان میں خواتین کی ایک بہت بڑی اکثریت زراعت کے پیشے سے وابستہ ہے، یہ انتہائی پر مشقت کام ہے، جس میں، کھیتوں میں بیج بونے سے لے کر کھیت تیار کرنے، فصل کاٹنے اور پھر اسے سنبھالنے، جانوروں کا چارہ تیار کرنے، جانوروں کی دیکھ بھال کرنے، ان کا دودھ دوہنے، کھیتی باڑی کے لئے ہل چلانے، جانوروں کا گوبر اکھٹا کرنے، پھر گوبر کو ایندھن کے لئے تیار کرنے، کے ساتھ ساتھ بچے پیدا کرنا، بچوں کی دیکھ بھال کرنا، خاوند اور دیگر گھر کے افراد کے لئے کھانا پکانا، ان کے کپڑے دھونا ان کی دیگر تمام ضروریات کا خیال رکھنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔

اکثر خواتین زچگی کی حالت میں یہ سب مشقتیں اٹھا رہی ہوتی ہیں، اور اکثر اس حالت میں سخت بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں، ناکافی علاج اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ

سے اکثر ماں اور نومولود بچوں کی اموات ہوتی ہیں۔ یہ ایسا پر مشقت کام ہے جس کی عام طور پہ کوئی اجرت نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس کے اس کام کو کبھی تحسین دی جاتی ہے۔

گذشتہ تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں چاہے شہری علاقے ہوں یا دیہی، خواتین کو تھوڑی سی آمدنی کے لئے بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے، لہذا اسی وجہ سے گلوبل جینڈر گیپ انڈکس بتاتا ہے کہ پاکستان جنسی نابرابری کے حوالے سے دوسرا سب سے خراب ملک ہے۔

یہ ایک طویل سفر ہے جسے طے کرنا ہے، تاکہ غربت و امارت کا فرق معاشرے سے ختم ہو سکے اگر چہ کہ یہ مشکل کام ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ مشکل کام جنسی امتیاز کا خاتمہ ہے جو ایک ہمارے معاشرے کی جڑوں میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

باب چہارم:
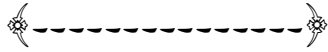
خواتین سماجی و معاشی زندگی میں کیسے بااختیار بن سکتی ہیں؟

خواتین اس وقت ہی اپنے آپ کو بااختیار بنا سکتی ہیں جب انہیں اپنی زندگی کو اپنی مرضی اور وقار سے جینے کا اختیار دیا جائے، زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے انتخاب اور فیصلہ جات کی اہمیت ہو نیز سماجی، مذہبی، اور عوامی سرگرمیوں میں شرکت کے حوالے سے اسے مساوی حق حاصل ہو۔ چاہے وہ گھر کی زندگی میں ذمہ داریاں نبھا رہی ہو یا باہر جہاں ملازمت یا کاروبار کر رہی ہو۔ اس کا حق ہے کہ کہ معاشرتی سطح پہ اسے ایک انسان ہونے کے ناطے معاشی، تعلیمی، معاشرتی حقوق میں برابر مواقع مہیا کئے جائیں۔ اس حوالے سے ریاست پہ کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور انفرادی سطح پہ خواتین کو کس حد تک جدوجہد کرنی چاہیئے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ ریاست کی ذمہ داریاں:

سب سے پہلے کسی ملک کے ریاستی نظام پہ یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے قوانین اور عملی نظام معاشرے کے لئے وضع کرے جس میں تمام شہریوں کے بلا کسی امتیاز کے حقوق کی پاسداری۔ اگر ریاستی نظام عادلانہ نہیں ہوگا تو معاشرے کے اندر کسی بھی جنس کو انصاف میسر نہیں آ سکتا۔ لہٰذا خاص طور پہ خواتین کے حوالے سے جو

امتیازی قوانین اور رواجات معاشرے کے اندر موجود ہیں انہیں ختم کر کے انصاف پہ مبنی قوانین بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ریاست خواتین کے حقوق کا تحفظ شروع کرتی ہے تو پھر یقیناً معاشرے میں وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پہ ترقی کر کے بااختیار بن سکتی ہے۔ لیکن اگر ریاستی سطح پہ ایسے امتیازی قوانین موجود ہوں گے جن سے خواتین کے بنیادی حقوق کو غصب کیا جائے گا، انہیں سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی میدانوں میں آگے بڑھنے سے مختلف طریقوں سے روکا جائے گا تو ایسے ماحول میں وہ کبھی بااختیار نہیں بن سکتیں۔

اس وقت ہمارے ملک کی پارلیمان کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ ملک میں ایسے قوانین کا اجراء کیا جائے اور ان پہ عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے، جن سے خواتین کے حقوق اور ان کی ناموس کا بہتر انداز سے تحفظ ہو سکے، اور زندگی کے ہر شعبے میں انہیں ملازمت کے بہتر سے بہتر مواقع میسر آ سکیں، نیز وہ زندگی کے ہر شعبے کے اندر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔

ملازمتوں کے حوالے سے عورتوں کے کوٹے میں اضافہ آبادی کے تناسب سے کیا جائے، اس وقت پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے اس کے باوجود بھی ملازمتوں میں خواتین کو کوٹہ کے حساب سے ملازمتیں بھی نہیں ملتیں یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں خواتین کی تعداد کم ہے۔ ایسے تمام قوانین جو خواتین حقوق سے متصادم ہیں انہیں ختم کیا جائے۔ قانون ساز اداروں میں خواتین کی مناسب نمائندگی کو یقینی بنایا جائے تا کہ خواتین کے حوالے سے بنائے جانے والے قوانین میں ان کی رائے بھی شامل ہو سکے اور ان کے مفادات کو بہتر انداز سے ملحوظ خاطر رکھا جا سکے۔

اسلام نے خواتین کو جس سماجی مقام سے نوازا ہے اور معاشی جدو جہد کے

حوالے سے جو آزادیاں اور تحفظ دیا ہے، اس کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر آج ہمارے ملک میں بھی قانون سازی کی ضرورت ہے، نیز معاشرے کے اندر تعلیمی نظاموں میں ان حقوق کو نصاب کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے تا کہ معاشرہ ذہنی اور فکری حوالے سے تنگ نظری اور جنسی امتیازی سوچ سے نکل سکے۔

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ خواتین کے حقوق کو مدنظر رکھ کر زندگی کے مختلف شعبوں کے حوالے سے پالیسیاں بنائی جائیں۔ ہمارا معاشرہ چونکہ بحیثیت مجموعی پسماندگی کا شکار ہے، یہاں دیگر ترقی یافتہ معاشروں کے مقابلے میں خواتین کو زیادہ سخت اور طویل جدو جہد کی ضرورت ہے۔اس کے لئے ریاست اور معاشرے کو خواتین کے لئے ترقی کرنے کے مناسب مواقع اور حوصلہ افزائی دینی پڑے گی۔اور انفرادی سطح پہ خواتین کو خود بھی اپنے اندر ایسی صلاحیت، جذبہ، ارادہ پیدا کرنا پڑے گا، جس سے وہ موجودہ مسائل سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

۲۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پہ حوصلہ افزائی کی ضرورت:

سب سے اولین ذمہ داری والدین کی ہے کہ انہیں لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت میں فرق نہیں کرنا چاہئے، جس طرح کی تربیت، تعلیم اور اعتماد لڑکوں کو دیا جاتا ہے، لڑکیاں بھی اس کی مستحق ہیں، لہٰذا بچیوں کے اندر خود اعتمادی پیدا کی جائے، انہیں اس طرح سے تعلیم و تربیت دی جائے کہ وہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھیں، نیز انہیں اس طرح تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے کہ وہ اخلاقی، فنی اور علمی سطح پہ کسی طرح سے بھی لڑکوں سے پیچھے نہ رہیں۔

مرد حضرات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بہن اور بیوی کو تعلیم حاصل کرنے سے نہ روکے بلکہ انہیں خاطر خواہ سہولیات مہیا کرنے میں کردار ادا کرے، ان کی

حوصلہ افزائی کریں اور اگر کسی شعبے میں وہ خدمات انجام دینا چاہتی ہیں، کوئی ہنر سیکھنا چاہتی ہیں، اعلیٰ تعلیم کی خواہشمند ہیں تو ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں، اس سے نہ صرف خاندان خوشحال ہوگا، آنے والی نسل کی اچھی تربیت ہوگی بلکہ ملکی ترقی میں بھی اضافہ ہوگا۔

اس طرح خواتین جس ادارے میں کام کررہی ہیں یا تعلیم وتربیت حاصل کررہی ہیں اس کی انتظامیہ کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خواتین کی حوصلہ افزئی کریں اور انہیں ایسا ماحول مہیا کرنے میں کردارادا کریں جس میں ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔اور وہ ادارے کی ترقی میں اہم کردارادا کرسکیں نیز معاشرے کا ایک فعال شہری بن سکیں۔

ایسی خواتین جومختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں، تحقیق کرنا چاہتی ہیں انہیں مناسب مواقع مہیا کئے جائیں، جوخواتین مختلف شعبوں میں کامیابیاں حاصل کرچکی ہیں انہیں انعامات اور ایوارڈز کے ذریعے حوصلہ افزائی دی جائے تاکہ دیگر بچیوں کے لئے وہ رول ماڈل بن سکیں۔اوران کوبھی آگے بڑھنے کی ترغیب ہو۔

اگرانفرادی اوراجتماعی سطح پہ پورا معاشرہ خواتین خواتین کی حوصلہ افزائی کے لئے کھڑا ہوجائے تو کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے کی اکثریتی آبادی ایک فعال شہری بن کے نہ صرف ایک تہذیب یافتہ نسل پیدا کرے بلکہ ملکی معیشت میں بھی خوشحالی کی نوید بنے۔

۳۔ عصری تقاضوں کے مطابق تعلیم وتربیت:

دنیا اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے تعلیمی نظاموں

سے مستقبل کے چیلنجز کو نمٹنے کی تیاری میں مصروف ہے، لیکن ہمارے معاشرے کی حالت یہ ہے کہ ملک کی اکثریت مجموعی طور پہ ان پڑھ اور جاہل ہے، اور بدقسمتی جو مائیں نئی نسلوں کو پیدا کر کے انہیں پروان چڑھاتی ہیں ان کی اکثریت ان پڑھ اور جاہل ہے۔ نہ ریاست اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تیار نظر آتی ہے اور نہ ہی انفرادی سطح پہ خواتین کی تعلیم کو اہمیت دی جاتی ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق: پاکستان میں خواتین کی خواندگی کی شرح 2012-2013 میں 48 فیصد سے کم ہو کر 47 فیصد ہو گئی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں کل مردوں کا 70 فیصد خواندہ ہے۔

2012-2013 میں پنجاب میں خواتین کی شرح خواندگی 54 فیصد سے کم ہو کر 52 فیصد ہو چکی ہے۔ جبکہ مردوں کی 71 فیصد ہے۔

2012-2013 میں سندھ خواتین کی شرح خواندگی 47 فیصد سے کم ہو کر 43 فیصد ہو چکی ہے۔ جبکہ مردوں کی شرح خواندگی 72 فیصد سے کم ہو کر 67 فیصد پہ پہنچ چکی ہے۔

2012-2013 میں خیبر پختون خواہ میں خواتین کی شرح خواندگی 35 فیصد سے بڑھ کر 36 فیصد ہو چکی ہے۔ مردوں کی 72 فیصد ہے۔ بلوچستان میں خواتین کی شرح خواندگی میں اضافہ ہوا ہے، 23 فیصد سے 25 فیصد ہو چکی ہے۔[296]

موجودہ اعداوشمار یہ بتاتے ہیں کہ انفرادی حیثیت سے یا اجتماعی حیثیت سے ہم اپنی بچیوں کی تعلیم سے کس قدر غافل ہیں۔ خاص طور پہ دیہی علاقوں میں قبائلی کلچر و دیگر عوامل کی وجہ سے حالات مزید پریشان کن ہیں، دیہی علاقوں میں بچیاں تعلیم کے حوالے سے طرح طرح کے مسائل سے دوچار رہتی ہیں۔ سکول گھر سے دور ہونے کی

وجہ سے بچیاں سفر نہیں کر سکتیں والدین کے پاس اتنے اخراجات نہیں ہوتے کہ وہ سفر کا خرچ برداشت کر سکیں، اس کے علاوہ بچیوں کے لئے الگ سکول نہ ہونے اور جو سکول موجود ہیں ان میں مناسب سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے بچیاں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتیں۔

اب صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ ملک کی آبادی کے 51 فیصد حصے کو صرف بچوں کو پالنے، کھیتوں میں بیگار لینے یا دیگر محنت کے کاموں کے لئے گھروں تک محدود کر دیا گیا ہے، ان کے لئے تعلیم کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔

انتہا پسندی اور جہالت کی ایک اور سوچ یہ پرورش پا رہی ہے کہ بچیوں کو سکول نہیں بھیجنا چاہئے، اسی سوچ کے نتیجے میں خیبر پختونخواہ میں دہشت گردوں نے کئی سکولوں کو صرف اس لئے تباہ کیا کہ وہاں بچیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں، کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ بچیاں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں، حالانکہ یہ سوچ ہمارے دینی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

عام طور پہ والدین بچوں کو بچیوں پہ تعلیم کے حوالے سے ترجیح دیتے ہیں، وہ زیادہ خرچ بچی پہ کرنے کی بجائے بچے پہ کرتے ہیں، ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ کیونکہ بچی کی انہوں نے شادی کرنی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ غیروں کے گھر چلی جاتی ہے اس طرح ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اس افسوسناک مفاد پرستی کی سوچ کے نتیجے میں بچیاں اعلیٰ تعلیم سے محروم کر دی جاتی ہیں، عام طور پہ اپنے لڑکوں سے معاشی سپورٹ کی امید رکھتے ہیں اور اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنی جمع پونجی بھی خرچ کرنے میں پیچھے نہیں رہتے، اس ساری صورتحال میں خواتین سے کام کرنے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حق چھین لیا جاتا ہے، اس سے نہ صرف ملک کی اکثریتی آبادی کو جاہل رکھ

کر، آنے والی نسلوں کی تربیت کو بھی متاثر کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ملکی معیشت میں بھی اس آبادی کا کوئی کردار موجود نہیں ہوتا جس سے ملکی معیشت بھی زوال پذیر ہوتی ہے۔

آج سیرتؐ کی روشنی میں ہمیں اپنے حالات کا دیانت داری سے جائزہ لینا چاہئے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کے پیروکار ہیں یا اپنے بنائی گئی فرسودہ قبائلی روایات، اور نام نہاد غیرت کے نام سے بنائی گئی سوچ اور خیالات کے پیروکار ہیں۔

ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ بچیوں کی پیدائش پہ کس قدر خوشی محسوس کرتے ہیں اور کس حد تک بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ اور بچوں اور بچیوں میں کس حد تک مساوات رکھتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں والدین کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ اپنی بچیوں کو اچھی تعلیم سے مستفید کریں، عصری علوم کے حصول سے انہیں دور نہ رکھیں، انکے اندر اعتماد پیدا کریں، اگر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گی تو اپنے گھر اور خاندان کو بہتر انداز سے پرورش کرسکیں گی، ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ پڑھی لکھی بچیاں، جب شادی کے بعد مشکل معاشی حالات سے دوچار ہوئیں تو انہیں ان حالات کا مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی، اور وہ اپنے شوہر اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری نبھانے میں کامیاب ہوئی، اور ایسی بھی کئی مثالیں جب خواتین شادی کے بعد معاشی مسائل کی وجہ سے اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے سخت ترین حالات سے دوچار ہوئیں، اور ان کے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔

خاص طور پہ خواتین کو اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے، انہیں با اعتماد بنانے، اور ان کی ملکی اور قومی ترقی میں شرکت کو یقینی بنانے کے لئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق

تعلیم وتربیت انتہائی ناگزیر ہے۔

صنعت وٹیکنالوجی کے اس دور میں قومیں یقینی ترقی اسی میدان میں آگے بڑھ کر ہی کرسکتی ہیں، خواتین چونکہ آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں لہٰذا انہیں صنعت وٹیکنالوجی سے وابستہ معیشت میں حصہ دار بنائے بغیر قوموں کا ترقی کی دوڑ میں سبقت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت ضروری ہے کہ ایسی تعلیمی پالیساں تشکیل دی جائیں جن میں خواتین کی تعلیم کو اولیت دی جائے۔ خاص طور پہ خواتین کو سائنسی وتکنیکی علوم کی تعلیم مہیا کرنے کے لئے وسائل بروئے کار لائے جائیں۔

موجودہ دور کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض ممالک میں خواتین کو بھرپور مواقع فراہم کئے جارہے ہیں لیکن بعض ابھی تک خواتین کو ٹیکنیکل میدان میں نظر انداز کرنے کی پالیسی پر گامزن ہیں بہت سارے ممالک اور معاشروں میں انجنئرنگ اور سائنس کے مضامین میں تعلیم کے حوالے سے لڑکیوں کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ یا ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، آج ہمارے معاشرے میں بھی تکنیکی شعبوں میں تعلیم کے حوالے سے بچیوں پہ خرچ نہیں کیا جاتا، والدین انہیں غیر سائنسی مضامین کی طرف راغب کرتے ہیں، جبکہ لڑکوں کے لئے ایسا نہیں ہوتا۔ اگر چہ کہ اب معاشرتی خیالات بدل رہے ہیں ٹیکنیکل فیلڈ میں کام کرنے کے لئے خواتین سامنے آرہی ہیں ان میں تکنیکی شعبوں میں کام کرنے کا رجحان پیدا ہورہا ہے۔ لیکن یہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس پہ مزید انفرادی اور اجتماعی سطح پہ کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ خواتین پڑھ لکھ کر اگر گھر تک ہی محدود ہوجائیں تو پھر انہیں تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور عام طور پہ یہ خیال بھی عام ہے کہ اگر لڑکیوں کو شادی کے بعد گھر ہی سنبھالنا ہے تو انہیں کالجز اور یونیورسٹیوں کی سیٹیں

لینے کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈگری کا حصول صرف نوکری یا ملازمت حاصل کرنا ہی ہے؟ کیا تعلیم کا کوئی اور مصرف یا فائدہ نہیں؟ کیا تعلیم انسانی افکار اور شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں لاتی؟ کیا ایک گھریلو خاتون تعلیمی فوائد سے مستفید نہیں ہو سکتی؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک گھریلو خاتون کو تعلیم ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔

اگر جائزہ لیا جائے تو گھر کا انتظام کسی بھی طرح سے کسی ادارے کے انتظام سے مختلف نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک ادارے میں کام کرنے والے لوگ اپنے کام کی تفصیلات سے واقف ہوتے ہیں اور سب اپنے اپنے مخصوص کام کو انجام دینے کے ذمہ دار ہوتے ہیں لیکن گھریلو منتظم کئی ذمہ داریاں بہ یک وقت نبھاتی ہے۔ اور ان سارے امور کو نہایت سلیقے اور پابندی سے ہر روز مکمل کرتی ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کی کوئی با قاعدہ فہرست نہیں ہوتی لگا تار اسے گھر کے متعلقہ تمام امور نمٹانے ہوتے ہیں اور اس تمام تگ ودو اور محنت کے بعد کوئی اس کی حوصلہ افزائی کرنے والا نہیں ہوتا۔

وقت کی پابندی کون کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک گھریلو خاتون صبح جب سارا خاندان سو رہا ہوتا ہے وہ جاگتی ہے، بچوں کو نیند سے بیدار کرتی ہے اور انہیں اسکول کے لئے تیاری کرنے میں مدد کرتی ہے۔ اگر وہ ذرا سی دیر کردے تو بچے اسکول سے لیٹ ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو ناشتہ وغیرہ تیار کر کے دیتی ہے، بچوں کے لنچ بکس تیار کرتی ہے اور پھر اسکول وین میں انہیں سوار کرانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد شوہر کے ناشتے کا بندوبست کرتی ہے اور پھر اسے کام یا آفس کے لئے روانہ کرتی ہے۔ اس کے بعد اس کا پورا دن، کھانا تیار کرنا، تمام گھر کی صفائی ستھرائی کرنے

میں گذر جاتا ہے۔شام کو بچے سکول سے واپس آتے ہیں ان کو کھانا کھلانا اور پھر انہیں ہوم ورک کروانا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ خواتین ٹی وی ضرور دیکھتی ہیں، اس کے علاوہ فون سننا اور پھر بعض اوقات کسی کے غم و شادی میں شرکت یا دیگر تقریبات میں شریک ہونا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ بچوں کے اسکول سے بھی رابطہ بھی اس کی ذمہ داری ہوتا ہے والدین کی میٹنگ میں اسے جانا پڑتا ہے۔

ان تمام مذکورہ امور کی انجام دہی کے لئے اسے وقت کی پابندی کرنی پڑتی ہے اس کی چھٹی نہیں ہوتی ،سردی ہو یا گرمی ، جاڑے کا موسم ہو یا بہار کا ،بچوں کی چھٹیاں ہوں یا میاں گھر پہ اس کی مصروفیات کی فہرست میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی ، بلکہ موسم و حالات کے مطابق کچھ اور چیزیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔بعض متوسط گھرانوں میں اگر چہ کہ ملازمین بھی ہوتے ہیں لیکن ملازمین کو بھی ایک سپروائزر کی ضرورت پیش آتی ہے بغیر نگرانی کے وہ کام بہتر انداز سے نہیں کرتے۔

لہٰذا ایسے گھروں میں خواتین ایک اچھے سپروائزر کا کردار ادا کرتی ہے۔اس کی یہ سپرویژن کچن کے امور، گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی ، باغ کی دیکھ بھال، گھر کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت، یوٹیلیٹی کے مسائل وغیرہ تمام شعبے اس کی نگرانی میں چل رہے ہوتے ہیں۔وہ ایک وقت میں ایک گھریلو خاتون آیا، ڈاکٹر، نرس، استاد، مالی، دھوبی، شیف ، کا کردار نبھا رہی ہوتی ہے۔اور ان ہی کاموں کے حوالے سے وہ ملازمین کی ٹیم سے بھی یہی کام لے رہی ہوتی ہے۔یقیناً ٹیم سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام ایک اچھا مینیجر ہی لے سکتا ہے۔

ایک گھریلو خاتون میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔گھر کے مالیاتی

نظام کو بھی خاتون بہتر طور پہ چلاتی ہیں اگر چہ اکثر خواتین خود کما کر نہیں لاتیں لیکن وہ رقم خرچ کرنے کے حوالے سے عمدہ پلاننگ کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف گھر کے بجٹ کو بناتی ہیں اور اچھی طرح سے چلاتی ہیں بلکہ بچت میں بھی ان کی حکمت عملی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ تو تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین برے وقت کے لئے بچا کر رکھنے میں زیادہ سلیقہ رکھتی ہیں۔

گھریلو خواتین جوانی سے لے کر بڑھاپے تک رفتہ رفتہ گھر کے سارے امور کی ذمہ داری سنبھال لیتی ہیں اور گھر اکثر فیصلے جن کا تعلق گھریلو انتظامات سے ہوتا ہے ان ہی کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ آگے چل کر بچوں کی شادیوں اور ان کے گھروں کو بسانے کے حوالے سے پلاننگ میں بھی گھریلو خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے۔

لب لباب یہ ہے کہ ایک گھریلو خاتون ایک وقت میں مختلف مہارتیں رکھتی ہے اور ہمہ وقت محنت و مشقت کی زندگی گذارتی ہے۔ جس میں وقت کی پابندی لازمی عنصر ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اچھی سپروائزر اور منتظم ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک عورت گھر میں کیا کرتی ہے انہیں اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اسے گھر میں کام کرنا ہوتا ہے۔ اگر ایمانداری سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر ایک عورت پڑھی لکھی ہے وہ ان تمام امور کو ایک ان پڑھ عورت سے زیادہ بہتر طریقے سے چلا سکتی ہے نیز گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور تمام گھر کی صحت کے حوالے سے زیادہ بہتری لا سکتی ہے۔ کیونکہ تعلیم سے صحت مند افکار اور تہذیب و اخلاق پیدا ہوتا ہے جو کہ خاندان کی تشکیل اور نئی نسل کی تربیت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

جہاں اجتماعی طور پہ ریاست اور معاشرے کی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ خواتین کو آگے بڑھنے کے لئے حوصلہ افزائی، اعتماد اور مواقع مہیا کریں وہیں انفرادی سطح پہ خواتین کو بھی اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔ اگر بحیثیت خاتون آپ سماجی زندگی میں اپنا عملی کردار نبھانا چاہتی ہیں تو اس کے لئے انفرادی سطح پہ اپنے آپ کو تیار کرنا بھی ضروری ہے اس حوالے سے ذیل میں دیئے گئے نکات کا مطالعہ کیجئے۔

۴۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنا:

عام زندگی میں مردوں اور عورتوں کے تقابلی جائزے سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ مرد عورتوں کے مقابلے میں زیادہ پر اعتماد نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مختلف شعبہ جات میں سبقت لے جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل کرتے ہیں ان کے مقابلے میں خواتین اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے حالات سے جلد متاثر ہو کر اپنا اعتماد کھو دیتی ہیں، وہ آگے بڑھنے کے حوالے سے زیادہ پر اعتماد نہیں ہوتیں۔ اگر چہ کے اس کے کئی معاشرتی و سیاسی اسباب موجود ہیں، لیکن اس کیفیت سے اپنے آپ کو نکالا جاسکتا ہے۔

اگر ہمارے معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو خواتین کا زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے نہ بڑھنے کی سب سے بنیادی وجہ ان کے اندر خود اعتمادی کی کمی ہے۔ خود اعتمادی کی کمی انہیں انفرادی سطح پہ یا اجتماعی سطح پہ کچھ سوچنے اور کرنے کی ہمت پیدا نہیں ہونے دیتی۔

خواتین کیسے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتی ہیں؟ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خود اعتمادی پیدا ہوتے ہی نہیں آتی بلکہ وقت کے ساتھ اسے اپنے اندر پیدا کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔ کبھی مشاہدہ کیا ہے کہ بچہ جب اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنا

پہلا قدم اٹھانا سیکھتا ہے۔ وہ سینکڑوں مرتبہ زمین پہ گرتا ہے پھر اٹھتا ہے، پھر گرتا ہے پھر اٹھتا ہے، لیکن اس گرنے پڑنے کے عمل سے رفتہ رفتہ وہ اپنے قدموں پہ کھڑا ہونا سیکھتا ہے، ایک لگن اور ایک امید اس کو چلنے کی طرف راغب کرتی ہے اور پھر کچھ ہی عرصے کی اس تگ و دو کے بعد وہ چلنے پھرنے، دوڑنے بھاگنے، چھلانگیں لگانے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہم اپنے اندر بھی مسلسل محنت سے ایسی مہارت پیدا کر سکتی ہیں جو ہمیں زندگی کے معاملات میں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے میں مدد دے سکے۔

اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کریں، اور پھر اس کے حصول کے لئے ضروری مہارتیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کوشش کریں۔

عام زندگی میں انفرادی سطح پہ کسی ملاقات کرنی ہے یا کسی میٹنگ میں جانا ہے یا کسی پبلک اجتماع میں شریک ہونا ہے تو ضروری تیاری پہلے سے کریں، اور یہ یقین رکھیں کہ جس مقصد کے لئے جا رہی ہیں اس میں مثبت نتائج ملیں گے۔ اپنی حرکات وسکنات، چہرے کے تاثرات اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ کا خاص خیال رکھیں۔ اور ہر صورتحال سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو پہلے سے تیار کر لیں اور انتہائی اطمینان سے تمام معاملات میں شریک ہوں۔

زندگی میں خود سے کچھ کرنے کا اعتماد پیدا کریں، سہاروں کی تلاش کا مزاج کبھی پیدا نہ کریں، کیونکہ ہر سہارا عارضی ہوتا ہے، دنیاوی سہاروں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا مفاد اور غرض جڑی ہوتی ہے، لہذا جب وہ غرض اور مفاد پورا ہو جاتا تو وہ سہارا بھی ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے سہاروں کی تلاش کی عادت کو اپنے اندر سے ختم کرنا ضروری ہے۔

ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ جس طرح ایک بچہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے لئے ابتداء میں کسی سہارے کو دیکھتا ہے لیکن یہ عارضی ہوتا ہے جب وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا خود سے سیکھ لیتا ہے تو پھر وہ کسی سہارے کو اہمیت نہیں دیتا۔

اپنی غلطیوں سے سبق سیکھیں، اپنی کوتاہیوں پہ غور کریں اور انہیں دور کرنے کے لئے کوشش جاری رکھیں۔ ہمیشہ اپنے چہرے پہ مسکراہٹ رکھیں۔ایک سروے کے مطابق جو لوگ اپنے چہروں پہ مسکراہٹ رکھتے ہیں وہ ان کے مقابلے میں زیادہ پرکشش اور باعتماد دکھائی دیتے ہیں جو اپنے چہروں کو مسکراہٹ سے عاری رکھتے ہیں۔

مشکل سے مشکل حالات میں کبھی نروس نہ ہوں بلکہ اپنے اندر مضبوطی پیدا کریں اور حالات کو سمجھیں اور ان کا مقابلہ کرنا سیکھیں۔اور کوئی ملازمت کرنی ہے یا اپنا کاروبار شروع کرنا ہے تو اس کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ تیاری کریں ضروری مہارتیں سیکھیں، اور پھر پہلا قدم اٹھائیں اور آگے بڑھیں، نیا کام شروع کرنے میں مسائل اور رکاوٹیں آئیں گی لیکن ان کو پورے تحمل اور تیاری کے ساتھ حل کریں۔اپنی ڈکشنری میں سے ناممکن کا لفظ نکال دیں۔یہ اپنا ایمان بنالیں کہ ہر چیز ممکن ہے اگر اس کے حصول کی خواہش اخلاص اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ کی جائے۔یہ وصف آپ کو عملی زندگی میں بااختیار بننے کے لئے تیار کرے گا۔

۵۔ اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے سیکھنے کے عمل کو جاری رکھنا:

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک فطری خوبی رکھی ہے وہ ہے خوب سے خوب تر کی تلاش، روز اول سے آج کی ترقی یافتہ دنیا تک انسانی زندگی کے ارتقاء کا یہ سلسلہ اسی خوبی یا وصف کا نتیجہ ہے۔انسان نے اپنے علم، مہارت اور صلاحیت کو وقت کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھایا اور انسان غاروں کی دنیا سے نکل خلاؤں کو تسخیر کرنے لگا۔

اب یہ فطری صلاحیت صرف مردوں کے ساتھ ہی منسوب یا محدود نہیں بلکہ یہ انسانی خوبی ہے اور اس میں مرد اور عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس فطری عمل سے روگردانی کرے گا یا ان میں سے کسی بھی جنس کو علم، مہارت اور صلاحیت کو بڑھانے سے روکا جائے گا تو وہ فطری ارتقاء کا عمل رک جائے گا۔

اگر خواتین اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لانا چاہتی ہیں تو انہیں سیکھنے کے عمل کو جاری رکھنا پڑے گا، سیکھنے کا عمل کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے، یعنی یہ نہیں کہ بعض علوم اور شعبے عورتوں کے لئے مخصوص ہیں اور بعض مردوں کے لئے بلکہ کائنات میں پھیلے علوم اور اشیاء کا کوئی بھی کسی بھی سطح کا علم و مہارت حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا دونوں کے لئے یکساں ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں دوسرے افراد کی صلاحیتوں اور مہارتوں سے سیکھنا، اپنے تجربات سے سیکھنا، تعلیمی و تربیتی اداروں کے ذریعے سیکھنا، سیکھنے کا یہ عمل اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، زندگی کو قابل عزت، با اخلاق، خوبصورت، پرسکون اور خوشحال بنانے کے لئے جس جس مہارت اور علم کی ضرورت پڑتی ہے اسے سیکھنا ضروری ہے۔ اپنے اندر سیکھنے کی عادت ڈالنا پڑے گی۔ سیکھنے کا یہ عمل آپ کو زندگی کے نشیب و فراز سمجھائے گا، گرد و پیش وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں سے آگہی فراہم کرے گا، سیکھنے کا یہ عمل آپ کے اندر مہارتیں پیدا کرے گا جس سے آپ معاشی و سماجی زندگی میں خوشحالی حاصل کر سکیں گی۔

سیکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی ایک خاص فکر کے دائرے میں بند نہ کریں بلکہ عقل و دانش جہاں سے بھی میسر آئے اسے لے لیں۔ اپنی عقلی

قوتوں کی آبیاری کریں، اس سے آپ کی شخصیت میں ایک اعتماد پیدا ہوگا۔اور آپ زندگی کی مسرتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوسکیں گی۔اوراس طرح آپ عملی زندگی میں اپنے پاؤں پہ کھڑاا ہوسکیں گی۔

٦۔ گھروں میں لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں امتیاز کے خاتمے کی ضرورت:

ہمارے معاشرے کا سب سے بڑاالمیہ یہ ہے کہ گھروں کے اندر بچے اور بچی کی تربیت اوران کے حقوق کے حوالے سے واضح امتیاز برتا جاتا ہے، یہ دراصل مزاج بن چکا ہے ارادی یا غیرارادی طور پہ اس امتیاز نے معاشرے کی اکثریتی آبادی کو کمزور، بے وقعت اور معاشی زندگی کی دوڑ سے باہر کردیا ہے۔

بچی کے ساتھ امتیازی سلوک اس کی تعلیم سے شروع ہوتا ہے، پھر گھروں میں لڑکوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ برتنے والے طرز عمل سے لڑکی کی اہمیت لڑکوں کی نفسیات میں کم ہوجاتی ہے۔

جب لڑکا اپنے والدین کا سلوک اپنی بہن کے ساتھ ایک کمزور جنس کے طور پہ دیکھتا ہے تو اس کی یہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے کہ لڑکی کمزور پیدا ہوئی ہے، اسے باہر کی، گردوپیش دنیا سے کیا لینا دینا، اس کے لئے ایک مخصوص کام ہے، مخصوص تعلیم ہے، محدود شعبے ہیں لہذا اس کی حیثیت یہاں تک ہی محدود ہے۔لہذا اسے اس سے آگے بڑھنے نہیں دینا۔ کیونکہ وہ کمزور ہے لہذا اسے ہر وقت سہارے کی ضرورت ہے، لہذا اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا، اس قسم کا طرز عمل وسلوک رفتہ رفتہ معاشرے کی جڑوں میں سرایت کر گیا ہے، وہی لڑکے بچپن سے اس طرح کی سوچ لے کر جب وہ خاوند بنتے ہیں تو اپنی بیویوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھتے ہیں، جب وہ باپ بنتے ہیں تو بیٹیوں کو بھی اسی سلوک کا مستحق سمجھتے ہیں۔

اگر ہم ذرا غور کریں تو جس خاندان مین بچی پرورش پا رہی ہوتی ہے اس میں ایک عورت ماں بھی ہوتی ہے جو اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کا کردار کیا ہوتا ہے؟ اگر وہ اپنے لڑکوں کو اس طرح سے تربیت دے کے وہ لڑکیوں کو کم تر، کمزور، بے ہمت، بے اعتماد نہ سمجھے، وہ لڑکوں کی نفسیاتی وشعوری تربیت کرے کہ اللہ نے عورت کو بھی اسی جیسا انسان پیدا کیا ہے اس پہ کسی علم اور شعبے کے دروازے بند نہیں کئے جا سکتے، جس طرح کی ضروریات زندگی لڑکے کے لئے ضروری ہیں اسی طرح لڑکی کو بھی چاہئے۔

وہ گھر میں لڑکی اور لڑکے میں فرق کے ماحول کو کبھی پیدا نہ ہونے دے۔ اس طرح ایک عورت معاشرے میں ایسے مرد پروان چڑھائے گی جو عورت کا احترام بھی کریں گے اور ان کی ترقی وخوشحالی میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ لہذا عورت کو ان مردوں کی تربیت کرنی پڑی گی جن کو جنم دیتی ہیں انہیں انسانیت کا حقیقی سبق سکھانا پڑے گا، اپنی اولاد میں بیٹا اور بیٹی کی تفریق کو ختم کرنا پڑے گا، بیٹیوں پہ بھی اسی طرح توجہ دینی پڑی گی جیسا کہ بیٹوں کو دی جاتی ہے۔

برابری اور خود اعتمادی بیٹیوں کو بچپن سے سکھانی پڑے گی۔ اور بیٹوں کو اس کا احساس دلانا پڑے گا۔ اگر عورت ماں کے اس کردار کو درست فکر اور عمل پہ استوار کر لے تو یقیناً مستقبل میں جو سماجی نظام پروان چڑھے گا وہ بلا تفریق جنس انسانی قدروں اور حقوق کی بنیاد پہ ہوگا۔ یہی ایک سلسلہ ارتقاء ہے جس کی بنیاد پہ عورت اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ اس سماج میں حاصل کر سکتی ہے۔

﴿حوالہ جات﴾

1۔ اسلام اور جدید دور کے مسائل، تقی امینی, مولانا، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۸ء، ص ۲۷۸

2۔ مادر کائنات، سرکار زینی جارچوی، کراچی، شمع بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۷۸

3۔ ایضاً، ص ۲۶۲

4۔ ایضاً

5۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبدالرشید, ڈاکٹر، کراچی، طاہر سنز ۱۹۸۶ء، ص ۳۱

6۔ ایضاً

7۔ مادر کائنات، سرکار زینی جارچوی، محولہ بالا، ص ۲۶۵

8۔ ایضاً

9۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء، ص ۳۶ تا ۳۷

10۔ ایضاً، ص ۱۷۶

11۔ ایضاً

12۔ عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری، لاہور، اسلامک پبلیکشنز ز، ۱۹۹۴ء، ص ۲۹

13۔ پنداری ناتھ پرتھو، بمبئی، ھندو سوشل آرگنائزیشن، ۱۹۵۴ء، ص ۲۸۲ تا ۲۸۳

14۔ ارمغان وید، عبدالرحمٰن آزاد صدیقی، کراچی، مکتبہ جاء الحق، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳۵ تا ۱۳۶

15۔ ایضاً

16۔ عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری، محولہ بالا، ص ۲۹

17۔ ایضاً

18۔ ایضاً

19۔ ایضاً

20۔ ایضاً

21۔ ایضاً

22۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۳۴

23۔ ایضاً

24۔ ارمغان وید،عبدالرحمٰن آزادصدیقی،محولہ بالا،ص۱۳۵

25۔ ایضاً

26۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۳۴

27۔ ایضاً،ص۳۵

28۔ مادرکائنات،سرکارزینی جارچوی،محولہ بالا،ص۲۶۵

29۔ ایضاً،ص۲۶۷

30۔ ایضاً،ص۲۶۸

31۔ ایضاً

32۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۳۶ تا۳۵

33۔ تاریخ ہندوستان،ابوریحان البیرونی،لاہور،سنگ میل پبلیکیشنز،۱۹۶۵ء،ص۳۶۹

34۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، (مترجم)مفتی ثناءاللہ محمود،محولہ بالا،ص۳۶

35۔ ارمغان وید،عبدالرحمان آزادصدیقی،محولہ بالا،ص۱۴۶ تا۱۴۵

36۔ ایضاً،ص۱۴۶

37۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں، سعودی ابوالحسن، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۶۰ء، جلد اول، ص ۸۹
38۔ اسلام اور مذاہب عالم، مظہر الدین صدیقی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۶ء، ص ۱۰
39۔ امغان وید، عبدالرحمٰن آزاد صدیقی، محولہ بالا، ص ۱۴۴
40۔ ایضاً
41۔ ایضاً
42۔ ایضاً، ص ۱۴۵
43۔ ایضاً
44۔ ناتھ پھتو پنداری، بمبئی، ہندو سوشل آرگنائزیشن ۱۹۷۳ء، ص ۴۳، ۴۳ اور (رابرٹ لنگت ، دی کلاسیکل لاء آف انڈیا، دھلی، ۱۹۵۴ء، ص ۳۰۳
45۔ مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا ، مور لیوس ، مترجم یاسر جواد ۔سعدیہ جواد، لاہور ، نگارشات ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۸
46۔ گوتم بدھ، کمار کرشن، ترتیب و ترمیم خالد ارمان، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۹
47۔ ایضاً، ص ۱۵۸ تا ۱۵۹
48۔ ایضاً، ص ۱۹۱
49۔ ایضاً، ص ۲۷۸
50۔ ایضاً
51۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مور لیوس، ترجمہ سعدیہ جواد۔ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۲۳۸ تا ۲۳۹
52۔ تجلیات سیرت، حافظ ثانی، ڈاکٹر، کراچی، فضلی سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۸، ص ۲۱۳
53۔ ایضاً
54۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبدالرشید ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۱۳۱
55۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مور لیوس، محولہ بالا، ص ۲۴۰
56۔ ایضاً

57۔ ایضاً

58۔ ایضاً،ص۲۰۲

59۔ ایضاً

60۔ ایضاً

61۔ دنیا کے بڑے مذاہب،عمادالحسن آزادفاروقی،لاہور،مکتبہ تعمیر انسانیت،۱۹۹۰ء،ص۱۲۷

62۔ ایضاً،ص۱۵۱

63۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا،مورلیوس،محولہ بالا،ص۲۰۸

64۔ ایضاً

65۔ ایضاً،ص۲۰۹

66۔ ایضاً

67۔ ایضاً،ص۲۰۸

68۔ عورت اسلامی معاشرے میں،سیدجلال الدین عمری،محولہ بالا،ص ۱۷

69۔ پردہ،ابوالاعلیٰ مودودی،لاہور،اسلامک پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص۱۴

70۔ عورت اسلامی معاشرے میں،سیدجلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۱۷

71۔ ایضاً

72۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۳۹

73۔ ایضاً،ص۴۰

74۔ عورت اسلامی معاشرے میں،سیدجلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۱۸

75۔ تجلیات سیرت،حافظ ثانی،ڈاکٹر،کراچی،فضلی سنز،۱۹۹۸ء،ص۲۰۷

76۔ ایضاً

77۔ ایضاً

78۔ ایضاً

79۔ مشرق اور مغرب کے سیاسی افکار، سید اصغر علی شاہ جعفری، لاہور، نیو بک پیلس، س ن، ص ۳۳

80۔ ایضاً

81۔ ایضاً، ص ۴۹

82۔ ایضاً

83۔ یضاً

84۔ ایضاً، ص ۴۹ تا ۵۰

85۔ ایضاً، ص، ۵۵

86۔ عورت، سیمون دی بوا، ترجمہ یاسر جواد، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۴

87۔ ایضاً، ص ۱۳۵

88۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی، محولہ بالا، ص ۴۰

89۔ ایضاً، ص ۳۸

90۔ ایضاً، ص ۴۱

91۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۱۴

92۔ ایضاً، ص ۱۵

93۔ ایضاً

94۔ ایضاً، ص ۱۶

95۔ عورت، دی بوا سیمون، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۳۵

96۔ ایضاً، ص ۱۳۶

97۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی، محولہ بالا، ص ۳۹

98۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۱۷

99۔ تجلیات سیرت، محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۲۰۸

100۔ عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری، محولہ بالا، ص ۱۸

101۔ ایضاً

102۔ ایضاً

103۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۱۷

104۔ عورت، سیمون دی بوا، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۳۷

105۔ ایضاً

106۔ ایضاً، ص، ۱۳۸

107۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۱۸

108۔ عورت، سیمون دی بوا، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۴۰

109۔ ایضاً

110۔ ایضاً

111۔ ایضاً، ص ۱۳۹

112۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۱۸ تا ۱۹

113۔ ایضاً

114۔ عورت، سیمون دی بوا، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۴۲

115۔ اسلامی ریاست وحکومت، محمد عبدالرشید، کراچی، علی کتاب گھر، ۱۹۷۳ء، ص ۵۳

116۔ تجلیات سیرت، محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۲۰۶

117۔ ایضاً

118۔ عورت، سیمون دی بو، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۳۱

119۔ تاریخ اقوام عالم، مرتضیٰ خان، لاہور، مجلس ترقی وادب، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۲

120۔ مادر کائنات، سرکار زینی جار چوی، محولہ بالا، ص۱۰۰
121۔ اسلامی ریاست وحکومت، محمد عبدالرشید، محولہ بالا، ص۵۴
122۔ ایضاً، ص۵۳
123۔ مادر کائنات، سرکار زینی جار چوی، محولہ بالا، ص۱۰۴
124۔ ایضاً، ص۱۱۶
125۔ ایضاً، ص۱۱۷
126۔ ایضاً
127۔ تجلیات سیرت، محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص۲۰۷
128۔ تاریخ نفاذ حدود، نور احمد شاھتاز، ڈاکٹر، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۸ء، ص۲۵
129۔ ایضاً
130۔ ایضاً
131۔ مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، مورلیوس، مترجم، یاسر جواد۔ سعدیہ جواد، محولہ بالا، ص۷۹
132۔ ایضاً، ص۴۸
133۔ زرتشت نے کہا، فریڈرش نیتشے، ترجمہ ابوالحسن منصور احمد، ڈاکٹر، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص۱۲۵
134۔ ایضاً
135۔ مذاہب کا انسائیکلو پیڈیا، مورلیوس، مترجم، یاسر جواد، سعدیہ جواد، محولہ بالا، ص۸۵
136۔ ایضاً
137۔ زرتشت نے کہا، فریڈرش نیتشے، ترجمہ، ابوالحسن منصور احمد ڈاکٹر، محولہ بالا، ص۱۲۵
138۔ ایضاً، ص۱۲۶ تا ۱۲۵
139۔ ایضاً، ص۱۲
140۔ ایضاً، ص۱۳۰
141۔ ایضاً، ص۱۳۱

142۔ ایضاً،ص۱۳۲تا۱۳۱

143۔ ایضاً،ص۱۷٦

144۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)،لاہور، بائبل سوسائٹی،۲۰۰۱ء، پیدائش۲،آیت۲۱تا۲۲

145۔ ایضاً، پیدائش۲،آیت۱۰

146۔ تالمود،ایچ پولانو،ترجمہ سٹیفن بشیر،گوجرانوالہ،مکتبہ عناویم پاکستان،۲۰۰۳ء،ص۱۷۹

147۔ ایضاً

148۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، پیدائش۳،آیت۹تا۱۷

149۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۲٦تا۲۷

150۔ ایضاً

151۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۴٦تا۴۷

152۔ ایضاً

153۔ ایضاً

154۔ تجلیات سیرت،محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر،محولہ بالا،ص۲۱۰

155۔ تالمود،ایچ پولانو،ترجمہ سٹیفن بشیر،محولہ بالا،ص۱۸۹

156۔ ایضاً

157۔ ایضاً

158۔ ایضاً

159۔ ایضاً

160۔ ایضاً

161۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا،ص۴۸

162۔ عورت، سیمون دی بوا، ترجمہ یاسر جواد، محولہ بالا، ص ۱۴۳

163۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، پیدائش ۲، آیت ۲۱ تا ۲۲

145۔ ایضاً، پیدائش ۳، آیت ۹ تا ۱۶

164۔ تجلیات سیرت، محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر محولہ بالا، ص ۲۱۰

165۔ ایضاً

166۔ ایضاً

167۔ ایضاً، ص ۲۱۱

168۔ کتاب مقدس، محولہ بالا، تیمتھیس کے نام پولس رسول کا پہلا خط، باب ۲ آیت ۱۲ تا ۱۴

169۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۲۰

170۔ تجلیات سیرت، محمد حافظ ثانی، ڈاکٹر محولہ بالا، ص ۱۲۳

171۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، پیدائش ۲، آیت ۲۱ تا ۲۴

172۔ ازدواج کا سفر، قیصر لیاقت، کراچی، ایونجلیکل لٹریچر سروس، ۱۹۹۴ء، ص ۳۸ تا ۳۹

173۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، ۲۰۰۱، کرنتھیوں ۱۱، آیت ۱۷

174۔ ایضاً، پیدائش ۲، آیت ۲۳

175۔ مادر کائنات، سرکار زینی جار چوی محولہ بالا، ص ۲۳

176۔ ایضاً

177۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۲۱

178۔ ایضاً

179۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، افسیوں ۵، آیت ۲۸

180۔ ایضاً، تیمتھیس ۵، آیت ۸

181۔ ایضاً، کرنتھیوں ۷، آیت ۳

182۔ ایضاً، عبرانیوں ۱۳، آیت ۴

183۔ ایضاً، ملاکی ۲، آیت ۱۴ تا ۱۵

184۔ ایضاً۔ متی ۱۹، آیت ٦

185۔ ایضاً، امثال ۱۸، آیت ۲۲

186۔ ایضاً، زبور ۱۲۸، آیت ۳

187۔ ایضاً، ملاکی ۲، آیت ۱٦

188۔ ایضاً، کرنتھی ۱۱، آیت ۱۰

189۔ ایضاً، پیدائش ۳، آیت ۱٦

190۔ ایضاً، افسیوں ۵، آیت ۲۲ تا ۲۴، ۳۳

191۔ ایضاً، پطرس ۳، آیت ۱ تا ٦

192۔ ایضاً

193۔ ایضاً، کرنتھیوں ۳، آیت ۱٦

194۔ ایضاً، کرنتھیوں ۱۱، آیت ۳ تا ۱۰

195۔ مادر کائنات، سرکار زینی چوی، محولہ بالا، ص ۲٦۴

196۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) محولہ بالا، انجیل متی ۵، آیت ۲۷

197۔ ایضاً، انجیل متی، آیت ۳ تا ٦

198۔ مادر کائنات، سرکار زینی چوی، محولہ بالا، ص ۲٦۴ تا ۲٦۵

199۔ خواتین کی اسلامی معاشرت، پیرزادہ شمس الدین نور، مفتی، کراچی، زم زم پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳

200۔ القرآن، ۱٦:٦۲

201۔ القرآن، ۱٦:۵۷

202۔ تفسیر ابن کثیر، (اردو) ترجمہ علامہ محمد جوناگڑھی، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت، س۔ن، ج ۲، ص ۵۹۴

203۔ القران،۴۳:۱۹

204۔ القرآن،۶:۱۳۹

205۔ تفسیر ابن کثیر،(اردو) ترجمہ علامہ محمد جونا گڑھی،محولہ بالا، ج۲،ص ۱۸۷

206۔ القرآن،۱۶:۵۷تا۵۹

207۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۱۹

208۔ ایضاً

209۔ ایضاً،ص۲۰

210۔ القرآن،۸۱:۸تا۹

211۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۲۱

212۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی،محولہ بالا،ص ۵۷

213۔ ایضاً،ص۵۸

214۔ ایضاً،ص۵۹

215۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۲۱

216۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی،محولہ بالا،ص۵۹تا۶۱

217۔ ایضاً،ص۶۲

218۔ ایضاً،ص۶۳

219۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۶۱

220۔ ایضاً

221۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناء اللہ مفتی،محولہ بالا،ص۶۳

222۔ ایضاً،ص۴۶

223۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۲۲

224۔ ایضاً

225۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،،محولہ بالا،ص ۶۵

226۔ ایضاً

227 ۔ القرآن ۲:۲۲۸

228۔ عورتوں کے بارے میں قرآنی احکام، رفیع اللہ شہاب، پروفیسر، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۶ء،ص ۹۷

229۔ القرآن،۵۳:۳۹

230۔ القرآن،۹:۱۰۵

231۔ القرآن،۲:۲۸۲

232۔ القران،۴:۳۲

233۔ القران،۵۷:۷

234۔ القران،۲:۲۷۸تا۲۷۹

235۔ القران،۷۳:۲۰

236۔ القران،۳۳:۳۳

237۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،کراچی،دارلاشاعت،۲۰۰۱ء،ص۲۲۴

238۔ القران،۲:۲۶۷

239۔ عورت اسلامی معاشرہ میں ، سید جلال الدین عمری ، لاہور ، اسلامک پبلی کیشنز ،۱۹۹۴ء، ص ۳۷۵

240۔ القران،۲۴:۳۳

241۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص ۱۲۱تا۱۲۲

242۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص،ص۱۲۲

243۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،صص۱۲۴

244۔ صحیح بخاری(مترجم اردو) امجد العلی،مولانا،کراچی،محمد سعید اینڈ سنز،۱۹۶۰ء، کتاب التفسیر (سورہ احزاب)، باب۱۹،ص۸۸۷تا۸۹۰،جلد۲

245۔ عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،محولہ بالا،ص۱۲۷تا۱۲۸

246۔ ایضاً،ص۱۲۵تا۱۲۶

247۔ مادر کائنات،زینی جار چوی سرکار،کراچی،شمع بک ایجنسی،۲۰۰۰ء،ص۲۴۲،۲۴۳

248۔ ایضاً،ص۲۴۳

249۔ ایضاً،ص۱۲۷

250۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم ثناءاللہ مفتی،محولہ بالا۔ص۲۱۶ تا۲۱۷

251۔ ایضاً،ص۲۱۷

252۔ صحیح بخاری، امام المحدثین، محمد بن اسماعیل بخاری،(ترجمہ) عبدالحکیم خان اختر شاھجہان پوری،مولانا،لاہور،فرید بک اسٹال،۱۹۸۲ء،حدیث۱۴۳،باب۱۰۹،ص۸۵،جلد دوم

253۔ ایضاً،حدیث۱۴۵،باب۱۱۱،ص۸۵۔جلد۲

254۔ ایضاً،حدیث۱۴۶،باب،۱۱۲،جلد۲

255۔ اسلام میں حیثیت نسواں،مظہر الدین صدیقی،لاہور،ادارہ اسلامیہ،۱۹۵۳ء،ص۱۶۰تا۱۶۱

256۔ صحیح بخاری، امام المحدثین، محمد بن اسماعیل بخاری،(ترجمہ) عبدالحکیم خان اختر شاھجہان پوری،مولانا،محولہ بالا، حدیث۶۳۵، باب۳۳۴،ص۲۹۳

257۔ ایضاً،حدیث۶۵۴، باب۳۴۶،ص۳۰۳،جلد۲

258۔ مادر کائنات،سرکار زینی جار چوی،کراچی،شمع بک ایجنسی،۲۰۰۰ء،ص۲۱۳

259۔ ایضاً

260۔ عبیداللہ سندھی،مولانا،افادات وملفوظات(مرتبہ پروفیسر سرور)لاہور،سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۹۶ء، ص۳۸۴

261۔ ایضاً،ص۲۹۹ تا ۳۰۰

262۔ عبید اللہ سندھی،مولانا،قرآنی شعور انقلاب،(جمع ترتیب شیخ بشیر احمد لدھیانوی،غازی خدا بخش مرحوم)لاہور،مکی دارالکتب،۱۹۹۱،ص۶۹۲

263۔ ایضاً،ص۶۹۲

264۔ عورت،سیمون دی بوا ،(ترجمہ)یاسر جواد،لاہور،فکشن ہاؤس،۱۹۹۹ء،ص۲۲ تا ۲۳

265۔VanderBrug, Jackie. “The Global Rise of Female Entrepreneurs.” Harvard Business Review. September 4, 2013.

266۔ Credit Suisse. 2012. Gender Diversity and Corporate Performance.(

267۔ Granger, Sarah. “A wave of angel investing organizations focus on women.” Harvard Business Review

268۔ Center for Women’s Business Research. 2009. The Economic Impact of Women-Owned Businesses In the United States)

269۔ IFC. 2011. Strengthening Access to Finance for Women-Owned SMEs in Developing Countries.

270۔ International Trade Center. 2011. ITC Gender Mainstreaming Policy.

271۔ Industry Canada. 2012. Key Small Business Statistics.

272۔ International Trade Center. 2011. ITC Gender Mainstreaming Policy

273۔ ILO. 2011. Equality at Work: The continuing challenge. Global Report

274۔ ILO. 2011. Equality at Work: The continuing challenge. Global Report

275۔ IFC. 2011. Strengthening Access to Finance for Women-Owned SMEs in eveloping

276۔ Ritchie, Holly. 2013. Examining women in enterprise development in Afghanistan

Barriers and solutions. Research Briefing No 6. IS Academy on Human Security in Fragile States.

277۔ Catalyst. Women CEOs of the Fortune 1000. See http://www.catalyst.org/knowledge/women-ceosfortune-1000

278۔ Grant Thornton International. Women in Business 2014. March 7, 2014

279۔ Alliance for Board Diversity Census Diversity. 2012. Missing Pieces: Women and Minorities on Fortune 500 Boards.

280۔ Catalyst. 2013. Catalyst Quick Take: Women in Financial Services.

281۔ Jones, Claire. “Six things you need to know about women in central banks.” Financial Times October 9,2013.

282۔ European Union. 2013. Women Active in the ICT Sector.

283۔ Goler von Ravensburg, Nicole. 2011. Economic and Other Benefits of the Entrepreneurs' Cooperative as a Specific form of Enterprise Cluster. ILO and COPAC

284۔ Lodhia, Shital. Gender Inequality in Decision Making in Cooperatives: A Cross National Study of Asia and Pacific Countries.

285۔ Dubhashi, Dr Medha. Vaik Unth Mehta National Institute of Cooperative Management, Pune, India. Empowering Women in Cooperatives. Presentation at the Workshop on Business and Gender, held by the Working Group on Discrimination against Women in Law and Practice, Office of the UN High Commissioner for Human Rights in Geneva October 3, 2013

286۔ Mcarthy, Lauren etal. 2012. Gender equality: it's your business. Oxfam

287۔ European Trade Union Confederation. 2010. From membership to leadership. Where do we stand? Survey March 8, 2010.

288۔ Queen Mary, University of London Blog. “Trade unions still fail to lure women leaders, study finds” September 14, 2012.

289۔ Machyo, Catherine Naswa. 2003. An Analysis of Women’s Trade Union Leadership in Kenya. A management research project in partial fulfillment for the degree of masters business administration.Faculty of Commerce, University of Nairobi.38 World Bank. Women, Business and the Law 2014. Removing Restrictions to Enhance Gender Equality.Key Findings.

290۔ Data Sourced from: United Nations Development

Program (UNDP); International Telecommunications Union (ITU); the World Bank (WB); and, Economist Intelligence Unit.8 Based on 2012 data.

291۔Sources: World Development Report 2012: Gender Equality and Development and World Bank (2012) Are Pakistan's Women Entrepreneurs being served by the Microfinance Sector?

292۔ عورت بنام مرد، رشیدہ محمد حسین پٹیل، ص۲۲۴

293۔ ایضاً

294۔ تاریخ اور عورت، مبارک علی، ڈاکٹر، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص۱۲۳

295۔ عورت خواب اور خاک کے درمیان ، کشور ناھید ، لاہور ، سنگ میل پبلی کیشنز ، ۱۹۹۵ء، ص۳۴، ۳۵، ۳۶

296۔ Published in The Express Tribune, June 5th, 2015.

''عزت نفس اور رفاقت کا شعور''

''ہمارے ہاں یہ ہوا کہ ہم نے بیویوں کو اپنا محکوم بنایا اور انہیں ذلیل سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں کی فضا محکومی اور ذلت سے آلودہ ہوگئی ہم اس فضا میں سانس لیتے ہیں اور ہمارے بچے اس میں پلتے ہیں۔ چنانچہ ہماری اس گھریلو زندگی کا اثر ہمارے گھر سے باہر پوری زندگی پر پڑا۔ جس طرح ہم نے گھر کے اندر اپنی عورتوں کو محکوم اور ذلیل سمجھا، اسی طرح ہم گھر کے باہر خود بھی ذہناً، طبعاً اور اخلاقی لحاظ سے محکوم اور ذلیل ہو گئے۔ ہماری اولاد اس سانچے میں ڈھلتی چلی گئی سچ پوچھو! ہماری موجودہ قومی پستی، جمود، بے ضمیری اور عدم اثبات واستقامت بہت حد تک ہماری اسی گھریلو زندگی کی وجہ سے ہے۔ اب اگر ہمیں آزاد ہونا ہے اور اس دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے اندر عزت نفس اور رفاقت کا شعور پیدا کریں۔

(افادات وملفوظات، از مولانا عبیداللہ سندھی)

ISBN: 978-969-9730-31-3